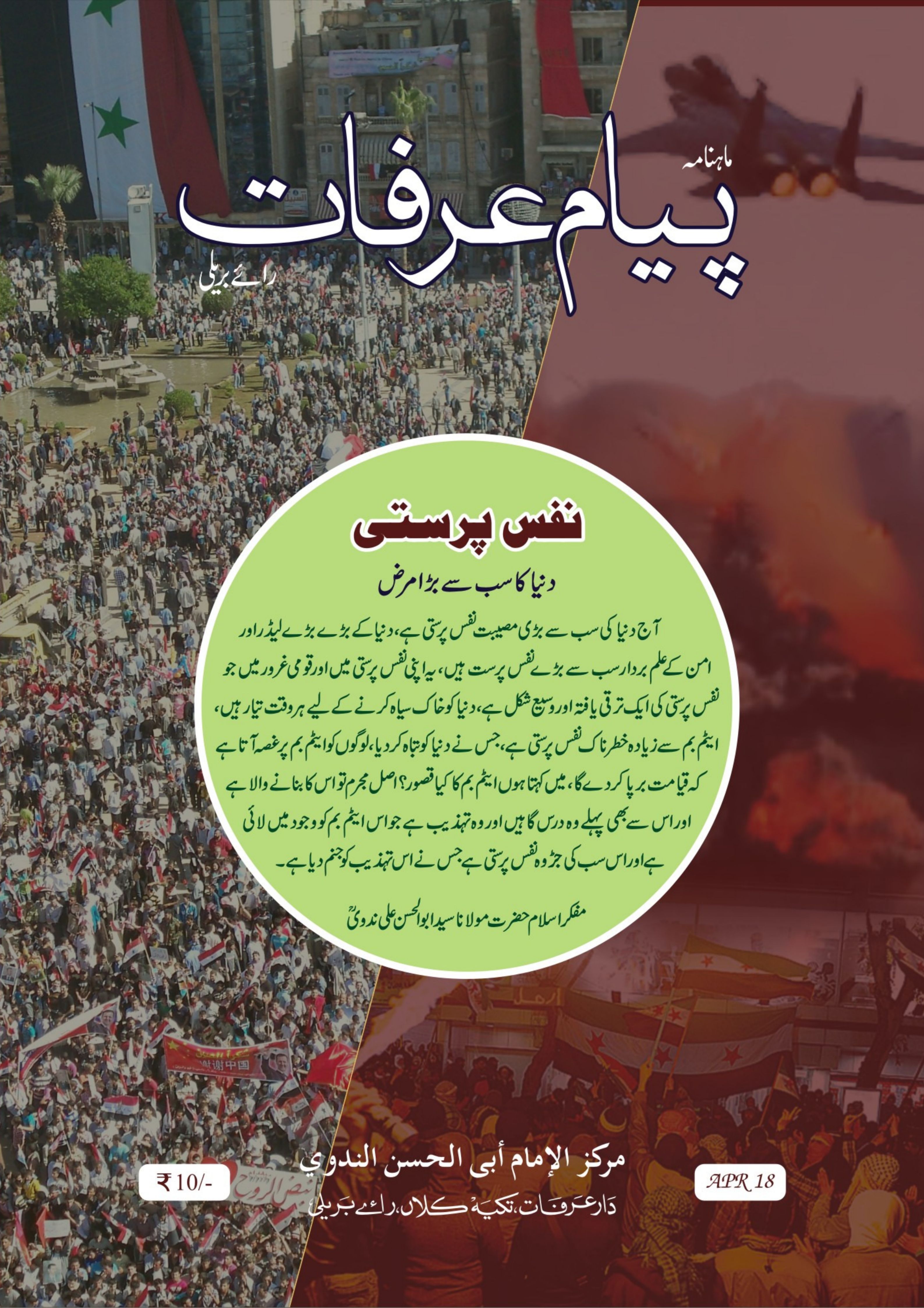

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

نفس پرستی

دنیا کا سب سے بڑا مرض

آج دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے، دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور امن کے علم بردار سب سے بڑے نفس پرست ہیں، یہ اپنی نفس پرستی میں اور قومی غرور میں جو نفس پرستی کی ایک ترقی یافتہ اور وسیع شکل ہے، دنیا کو خاک سیاہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں، ایٹم بم سے زیادہ خطرناک نفس پرستی ہے، جس نے دنیا کو تباہ کر دیا، لوگوں کو ایٹم بم پر غصہ آتا ہے کہ قیامت برپا کر دے گا، میں کہتا ہوں ایٹم بم کا کیا قصور؟ اصل مجرم تو اس کا بنانے والا ہے اور اس سے بھی پہلے وہ درس گاہیں اور وہ تہذیب ہے جو اس ایٹم بم کو وجود میں لائی ہے اور اس سب کی جڑ وہ نفس پرستی ہے جس نے اس تہذیب کو جنم دیا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

₹ 10/-

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

APR 18

امت مسلمہ کی عربوں سے امیدیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

''اے اہل عرب اور اے مصری اور شامی زعماء!

ان مسلمانوں پر رحم کرو جو جاہلیت سے منہ موڑ کر اسلام و قرآن کو سب کچھ سمجھتے ہیں، آپ نے انہیں مؤمن قوم بنایا تھا، اور شجر و حجر کی پرستش سے بچایا تھا، اور ایشیا و افریقہ کی قومیں آج بھی منتظر ہیں، بھوکی پیاسی انسانیت زبان حال سے ﴿أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ کی صدا لگا رہی ہیں کہ محمد ﷺ کے خوان کرم سے ہمیں بھی کچھ دو، اہل عجم سے تو آپ اس معاملہ میں پیچھے نہ رہیں، آپ سے تو اس رسول ﷺ کا قومی، وطنی، لسانی اور تہذیبی بلکہ خون کا رشتہ بھی ہے، آپ ہم ہندوستانیوں کو دیکھیں کہ محمد ﷺ کے نام نامی پر ہمارے جذبات بے اختیار ہو جاتے ہیں، روح جھوم اٹھتی ہے اور آتش شوق تیز تر ہو جاتی ہے۔

ترکوں کے لیے یہ نام ایک ایسا سحر انگیز کیف رکھتا ہے جو دوسرے کسی لیڈر کے لیے نہیں پایا جاتا، محمد ﷺ کا نام لے کر ترکوں کو تم خرید سکتے ہو، انہیں غلام بنا سکتے ہو، اسلام کا نام لے کر تو دیکھو کہ کس طرح ہم ہندوستانی بھی سر آنکھوں کے بل ہر دور دراز مقام سے آج بھی آنے کو تیار ہیں، خدا کی قسم! دنیا کی کسی تاریخ نے اس سے بڑھ کر قوت کا سرچشمہ نہیں دیکھا، کل تک یورپ اس قوت سے تھر تھر کانپتا تھا، لیکن آج وہ خراٹے کی نیند سو رہا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں کہوں گا کہ ''المحیا محیاکم والممات مماتکم'' اگر یہ خدائی رابطہ نہ ہوتا تو ہماری تاریخ آپ کی تاریخ سے مختلف ہوتی، اسلام ہی کے رشتہ میں ہم دونوں بندھے ہوئے ہیں، وہی اسلام جہاں ہم دونوں عہد وفا نبھانا چاہتے ہیں، وہی اسلام جس کے لیے ہماری آرزو ہے کہ آپ از سر نو اس کی قیادت اور اس کے سہارے دنیا کی امامت کا کار عظیم سنبھالیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس تلخ گوئی کو معاف کریں گے، اس لیے کہ یہ صرف اخلاص کا نتیجہ ہے ؎

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کرتا ہے کار تریاقی''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۰ | اپریل ۲۰۱۸ء - رجب المرجب ۱۴۳۹ھ | شمارہ: ۴

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

انتباہ!

﴿وَلَا تَرْكَنُوٓا۟ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا لَكُم
مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾

(اور ظالموں کی طرف تمہارا جھکاؤ بھی نہ ہو ورنہ آگ تمہیں بھی پکڑ لے گی پھر اللہ کے سوا تمہارے حمایتی نہ ہوں گے پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی)

(ھود: ۱۱۳)

فی شمارہ: Rs.10/- | Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فہرس

شام لہو آشام (اداریہ)..................۳
..................بلال عبدالحی حسنی ندوی
دعوتِ انسانیت..................۴
..................حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
حق کا معیار..................۶
..................مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ
توحید کیا ہے؟..................۸
..................بلال عبدالحی حسنی ندوی
عالمِ آخرت پر ایمان..................۱۰
..................عبدالسبحان ناخدا ندوی
میت کو کفن دلانے کے شرعی احکام..................۱۲
..................مفتی راشد حسین ندوی
شام کی خانہ جنگی - ایک تجزیہ..................۱۴
..................مولانا ندیم الواجدی
احتساب نفس..................۱۷
..................محمد امین حسنی ندوی
امید الٰہی..................۱۸
..................محمد ارمغان بدایونی ندوی
اسلام - مغربی ممالک میں بڑھتی مقبولیت..................۱۹
..................محمد نفیس خاں ندوی

کونین کا قرۃ العینؐ

نتیجۂ فکر:- سید شاہ سراج الدین سراجؒ

رسولِ خدا سید المرسلین
قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوت کی مسند کا ہے جانشین
کیا جس نے تعظیم روح الامین
عجب روزِ محشر کا سردار ہے
صف اصفیاء میں وہ سالار ہے
جگت میں روئے سلطنت ہے مدام
جماعت میں ہے انبیاء کی امام
رہِ شرع کا ہادیِ مستقیم
شریعت کے دریا کا درِّ یتیم
شہ انس جاں سب کا مقبول ہے
نبوت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمین آسماں سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما
ہے خیر الورا احمد مجتبیٰ
عجب ذات مقبول کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے

مدیر کے قلم سے

شام لہو آشام

بلال عبدالحی حسنی ندوی

انبیاء واولیاء کی سرزمین شام اس وقت لہو آشام ہے، جس ارض مقدس کو اللہ نے بابرکت بنایا تھا اور اس کے بارے میں ﴿بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ (ہم نے اس کے گرد وپیش کو بابرکت بنایا ہے) کی گواہی دی تھی، آج وہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کا میدان جنگ بنا ہوا ہے، دنیا دیکھ رہی ہے کہ مرنے مارنے والے مسلمان ہیں، لیکن حقیقت کچھ اور ہے، اس میں شبہ نہیں کہ مرنے والے تو مسلمان ہی ہیں، لیکن پس پشت کیا ہو رہا ہے، اس کو شاید کم لوگ جانتے ہوں گے۔

مشرق وسطی میں اس وقت شام ہی تنہا وہ ملک ہے جو روسی بلاک میں ہے، امریکہ کی شروع سے اس پر نظریں ہیں، اسلام کے نام پر انقلابات کی جو ہوا چلی، وہ شاید کسی ملک کو بھی راس نہ آسکی، شام بھی اس کی چپیٹ میں آیا، حافظ الاسد جیسے ملحد وکمیونسٹ حکمراں نے پہلے ہی اس کو تباہ کردیا تھا، بڑے بڑے علماء ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے، ہزاروں افراد شہید ہوئے، آہستہ آہستہ قدرے سکون پیدا ہوا، بشار نے نرم پالیسی اختیار کی، اور بعض صاحب بصیرت علماء نے اس سے روابط بڑھائے، ذہن سازی کی، اور بظاہر ایک بہتر تبدیلی کی طرف ملک کا رخ ہوگیا، لیکن باطل طاقتوں کو مسلمانوں کا سکون کب پسند ہے، اسلام کے نام پر ہی کچھ لوگوں کو کھڑا کیا گیا، وہ بے چارے جذبہ ایمان کے ساتھ آگے بڑھے، امریکہ نے اپنے مقاصد کے لیے پیچھے سے ان کی مدد بھی کی، مگر دوسری طرف بشار کے لیے روس کھڑا ہوگیا، ایران نے بھی پورا ساتھ دیا، اس طرح یہ جنگ روس امریکہ کی بن گئی اور شام کو میدان جنگ بنادیا گیا، اور پھر وہ سب کچھ ہوا کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجائیں، کلیجے منھ کو آجائیں، انسانوں نے ساری حدیں پار کرڈالیں، کچھ لوگ چیخے چلائے، کچھ نے ماتم کیا، مضامین بھی لکھے گئے، سوشل میڈیا کا بھی خوب استعمال ہوا، لیکن ابھی تک حالات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوسکی، اس کی بنیادی وجہ دونوں طاقتوں کا ٹکراؤ ہے، اور دونوں اس پر مطمئن ہیں کہ نقصان مسلمانوں کا ہو رہا ہے، ہم مسلمانوں کو سوچنے کی ضرورت ہے، ایک طرف دعاؤں کا ہر ممکن اہتمام اور دوسرے اسباب پر غور، یہ حالات کیوں پیدا ہوتے ہیں، ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت سب سے بڑھ کر ہے، لمحوں میں کچھ سے کچھ ہوسکتا ہے، لیکن ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے، پانی کہاں مر رہا ہے اس پر بھی غور کیا جائے۔

دنیا کے اس ماحول میں جب کہ "الکفر ملة واحدة" کفر ایک متحدہ طاقت کے طور پر مقابلہ کے لیے ہمہ وقت تیار ہے، ہمیں اس کے لیے بڑی ایمانی طاقت کی ضرورت ہے، آپس کے خلوص واتحاد کی ضرورت ہے، اور بے ضرورت ٹکراؤ کی پالیسی پر بہت نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، محبت نے دنیا فتح کی ہے، مسلمان اگر اسی خلوص ومحبت کے ساتھ اسلام کا پیغام عام کریں، اور دلوں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو حالات یقیناً بدل سکتے ہیں، تاریخ میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں، اور زندہ قومیں ہمیشہ تاریخ سے سبق لیتی ہیں۔

دعوتِ انسانیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارا یہ ملک مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف مذاہب کا ملک رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پہلے سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ اس ملک میں مختلف النوع انسان رہتے ہیں، اور اخلاق ومحبت کے ساتھ رہتے ہیں، میں نے خود دیکھا ہے اور اس کا تجربہ کیا ہے کہ یہاں آپس کی ملاقات ومعاملات میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی، اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کی جاتی تھی، اگر سڑک پر کوئی شخص چلتے سے گر جاتا تھا تو اس کو فوراً اٹھاتے تھے، یہ ضروری نہیں تھا کہ اٹھانے والا اس کا عزیز یا اس کا بھائی ہو، اٹھانے والا کوئی غیر بھی ہوسکتا تھا، لیکن فوراً وہ اس کو اٹھائے گا اور کہے گا: چوٹ تو نہیں لگی؟ میں تجربہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں یہ ہمدردی رہی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمدردی جب تک قائم رہے گی اس وقت تک یہ ملک ترقی کرے گا اور ملک بہتر رہے گا، ایک گھر کے اندر اگر بھائی بھائی سے لڑنے لگے تو گھر برباد ہوجاتا ہے، اس میں کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا ہے، دونوں ہی نقصان اٹھاتے ہیں، اسی لیے ہم میں سے ہر شخص کو ایک ساتھ رہنے کا ڈھنگ سیکھنا پڑتا ہے۔

انسان اپنے خیال اور اپنی سوچ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری سوچ ہمارے بھائی کی سوچ کی طرح ہو، یا ہمارے باپ کی سوچ کی طرح ہو، یا ہماری ماں کی سوچ کی طرح ہو، ہر ایک کی سوچ مختلف ہوسکتی ہے، اُن کی الگ ہوسکتی ہے اور ہماری الگ ہوسکتی ہے، لیکن سوچ سوچ سے لڑے گی نہیں، اس لیے کہ یہ خیال ہوگا کہ ہم ایک ساتھ رہتے ہیں، ہم ایک دوسرے سے انسان کی حیثیت سے جڑے ہوئے ہیں، ہم سب انسان ہیں، یہ نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی جانور ہے، کوئی شیطان ہے، بلکہ ہم سب انسان ہیں، لہٰذا ہماری سوچ الگ الگ ہوسکتی ہے، اس لیے ہم کو ایک دوسرے سے مل کر آپس میں مفاہمت کے ساتھ زندگی گذارنا چاہیے، اور جب ہمیں ضرورت پڑتی ہے تو ہم ایسا کرتے ہیں، لیکن جو لوگ سیاست کو ذریعہ بناتے ہیں، وہ ماحول بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اور سوچ کو سوچ سے لڑاتے ہیں، اور آپس میں اس کی وجہ سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے سے مخالفت پیدا ہوجاتی ہے، جب کہ سوچ کو سوچ سے ٹکرانا نہیں چاہیے، بلکہ اس کا فائدہ اٹھانا چاہیے کہ ان کی سوچ ہوسکتا ہے زیادہ اچھی ہو، اور ممکن ہے ہماری سوچ کم اچھی ہو۔

عام طور پر انفرادی زندگی میں ضرورت پڑنے پر ہم آپس میں محبت اور ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں، ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم سب ایک ہیں، ہم بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو ایک ساتھ کرتے ہیں، اگر ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، اور ڈاکٹر دوسرے مذہب کا ہوتا ہے، اور مریض کسی دوسرے مذہب کا ہوتا ہے، لیکن دونوں ایک دوسرے سے ہمدردی کرتے ہیں، ڈاکٹر اس کا علاج کرتا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ہمارا مریض ہمارے مذہب کا ہے یا نہیں ہے، اسی طرح جب ہم بازار میں سودا لینے جاتے ہیں تو سودا بیچنے والا یہ نہیں دیکھتا کہ ہم سے سودا لینے والا شخص کس مذہب کا آدمی ہے، بس وہ یہ دیکھتا ہے کہ انسان ہے، گویا ہم انسان کی بنیاد پر زندگی گذار رہے ہیں اور یہ دنیا اسی بنیاد پر چل رہی ہے، اگر انسان انسان سے لڑنے لگے تو یہ ساری دنیا تباہ ہوجائے، اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ملکوں میں آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے، وہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے کہ انسان ہیں، وہ بھی انسان ہیں یہ بھی انسان ہیں، اگر انسانوں کی طرح زندگی گذاریں تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اور اگر ہم انسانوں کی طرح زندگی نہیں گذاریں گے تو ایک دوسرے کو نقصان پہنچے گا، اور اس میں جیتنے والا بھی جیتتا نہیں ہے، جتنی لڑائی ہوتی ہے اس میں دونوں کو نقصان ہوتا ہے، جیتنے والا بھی نقصان اٹھاتا ہے اور ہارنے والا بھی نقصان اٹھاتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں یہ ہار گیا اور یہ جیت گیا، لیکن نقصان دونوں کو ہوتا ہے۔

اس لیے زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اپنا سمجھیں، ایک دوسرے کو پڑوسی سمجھیں، اور پڑوسی کے متعلق جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے، ہمارے اسلام میں پڑوسی کے متعلق بہت

زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پڑوسی کے ساتھ ہمدردی کرو، پڑوسی کو اپنا بھائی سمجھو، لیکن ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں، ہم چھوٹی سے چھوٹی بات پر دوسرے سے لڑنے لگتے ہیں، چھوٹی سے چھوٹی بات پر ہم دوسرے کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے اس میں خود ہمارا نقصان ہوتا ہے، جب ہم ایک ایک بات پر ایک دوسرے سے الجھیں گے اور لڑیں گے، اور اختلاف کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے، اگر ہر شخص یہ کرنے لگے کہ ہم سودا اسی شخص کو بیچیں گے جو ہمارے گھر کا آدمی ہو، ہم اسی مریض کو دیکھیں گے جو ہمارے گھر کا مریض ہو تو ظاہر ہے زندگی کیسے چلے گی؟ اس طرح یہ دنیا نہیں چل سکے گی، دنیا کا نظام انسانیت کی بنیاد پر چلتا ہے، جو لوگ اسپتال میں ایک دوسرے کی ہمدردی کرتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ سامنے والا کون ہے، اسی طرح جب ہم بازار جاتے ہیں اور سودا خریدتے ہیں تب ہم سودا دیکھتے ہیں کہ سودا کہاں سے ملے گا، یہ نہیں دیکھتے کہ کس سے سودا لے رہے ہیں، اور اگر ہم میں یہ بات پیدا ہو جائے گی کہ ہم یہ دیکھنے لگیں کہ ہم سودا کس سے لے رہے ہیں اور کس کو بیچ رہے ہیں، اور مریض کون ہے اور اس کا ہم علاج کریں یا نہیں؟ تو یہ بات سب کے لیے پریشانی کا سبب ہوگی، اس لیے کہ پھر نہ علاج ہو سکے گا، نہ خرید و فروخت ہو سکے گی، نہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچ سکے گا، بلکہ سب ایک دوسرے کے سامنے تنے کھڑے رہیں گے۔

ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ یہ ملک مختلف مذاہب، مختلف نسلوں، مختلف سوچ کا ملک ہے، صرف ایک مذہب، ایک سوچ اور کسی ایک نسل کا نہیں ہے، ایک سوچ دوسرے کی سوچ سے الگ ہو سکتی ہے، جیسے بھائی کی سوچ بھائی سے الگ ہوتی ہے، بیٹے کی سوچ ماں سے الگ ہوتی ہے، باپ سے الگ ہوتی ہے، لہٰذا اگر ہم لوگ سوچ کے اوپر لڑنے لگیں کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں تم بھی یہی سمجھو، تم جو سمجھ رہے ہو وہ غلط ہے، ہم جو سمجھ رہے ہیں وہ صحیح ہے، تو ہم سب آپس میں لڑ جائیں گے اور دونوں کا نقصان ہوگا، اس لیے ہمیں ہمدردی و مفاہمت کے ساتھ کام کرنا چاہیے اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، پہلے ہم بات کو سمجھیں، صرف ایک اعلان کر دینے پر نہ لڑ جائیں۔

لکھنؤ کا واقعہ ہے، ہم نے دیکھا کہ سورج ڈوبنے کے بعد ایک دم سے لوگ بھاگے چلے جا رہے ہیں، اور کچھ لوگ ڈر کے مارے ہمارے گھر میں چھپ گئے ہیں، ہم نے پوچھا: کیا ہو گیا؟ تو بتایا: لوگ بھاگ رہے ہیں، کچھ ہو گیا ہے، یہ نہیں معلوم ہے کہ کیا ہوا ہے، بعد میں پتہ چلا کہ ایک گائے بھاگی تھی اور اس سے بچنے کے لیے کچھ لوگ بھاگے تھے، پھر ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بھاگے، اور اس طرح ایک شور مچ گیا۔

اگر ہم اس طرح ذرا ذرا سی بات پر یہ اثر لے لیں گے کہ خطرہ ہے، تو کیا ہوگا؟ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی خطرہ ہے تو اس خطرہ کو دور کرنے کی فکر کرنی چاہیے، اس خطرہ کو حل کرنا چاہیے، خطرہ کو چھوڑنا نہیں چاہیے، اسی طرح اگر ہمارے آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو ہم ایک دوسرے سے مل کر اس ٹکراؤ کو دور کریں، ایک دوسرے کی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، ہم اس بات کو اختیار کریں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمارا معاملہ ہمدردی کا ہونا چاہیے، مفاہمت کا ہونا چاہیے، ایک دوسرے کو سمجھنے کا ہونا چاہیے، مولانا پاریکھ صاحب کہتے تھے کہ ہمیں اپنی دیواریں چھوٹی بنانی چاہئیں تاکہ ہم ایک دوسرے کو سمجھ سکیں کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن اگر ہم دیواریں اونچی بنا دیں گے تو ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمی پیدا ہوگی، اور معاملہ کچھ سے کچھ ہو جائے گا، جب ہم ایک ساتھ اس ملک میں رہ رہے ہیں تو ہمیں رہنے کا طریقہ سیکھنا چاہیے، اس ملک میں الگ الگ لڑنے کا طریقہ نہیں چلے گا، جب ہمیں یہاں رہنا ہے اور ساتھ رہنا ہے، کاروبار میں ساتھ رہنا ہے، علاج و معالجہ میں اور ہسپتالوں میں ساتھ رہنا ہے، اور برسوں کا ساتھ رہنا ہے تو پھر ہم ایک دوسرے سے لڑیں گے، ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمی یا شکایت ہوگی تو ہماری زندگی خراب ہو جائے گی، اس لیے زندگی کو اچھا بنانے کی ضرورت ہے، جب ہمیں ایک ساتھ رہنا ہے تو ہمیں زندگی کو خوشگوار بنا کر ہمدردی اور آرام کے ساتھ زندگی گذارنی ہے، تکلیف کے ساتھ زندگی گذارنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، ہمارے دل میں دوسرے کے متعلق بہت بدگمانی ہو، ہم دوسرے کو اپنا دشمن سمجھیں، ہم دوسرے کو برا سمجھیں، ایسی ذہنیت نہیں ہونا چاہیے، اس دنیا میں کوئی برا نہیں ہے.................... (باقی صفحہ نمبر ۱۶ پر)

حق کا معیار

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ

سچائی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو ہر حال میں واقعہ کے مطابق ہی بات کہتا ہو اور اسی بات پر عمل بھی کرتا ہو، یعنی اگر کوئی شخص وحی الٰہی کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو وہ اسی قدر سچا ہے، اسی طرح جو شخص دنیا کے معاملات میں حقیقت کے مطابق جتنا کہنے سننے اور کرنے والا ہوگا اتنا ہی وہ سچا ہوگا، جیسا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کو اہل مکہ شروع ہی سے صادق کہتے تھے، کیونکہ رسول ﷺ جو کچھ بھی کہتے تھے آپ وہی کرتے بھی تھے، یعنی جو آپ کا عمل تھا وہی آپ کا قول بھی تھا، اور جو آپ کا حال تھا وہی عمل بھی تھا، اور جو آپ کا عمل تھا وہی قول تھا، گویا کہ تینوں میں مطابقت تھی اور یہی حال صحابہ کرام کا بھی رہا کہ ان کے یہاں بھی قول، فعل، عمل میں تضاد نہیں پایا جاتا تھا، اسی لیے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ دور صداقت کا دور تھا، گویا جو بات ان کے دل کے اندر ہوتی تھی وہی باہر بھی ہوتی تھی، ایسا نہیں تھا کہ دل میں حسد ہو اور زبان پر شیریں کلامی ظاہر کی جائے، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کا یہ مزاج نہیں تھا کہ وہ جھوٹ بولیں، کیونکہ وہ حقیقت پسند لوگ تھے، لیکن اس کے برخلاف جھوٹ بولنے کا عجمیوں کا عام مزاج ہے، کیونکہ ہمارے یہاں یہ حال ہے کہ یہاں سچ بولنے والے نہیں ہیں، بلکہ اکثر جھوٹ ہی بولنے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہر آدمی دوسرے آدمی کو جھوٹا سمجھتا ہے اور اس پر شک کرتا ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اور یہ آج کا ایسا مرض ہے کہ اس میں اچھے اچھے مبتلا ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ دیکھنے میں بڑے دیندار معلوم ہوتے ہیں ان کا بھی جب حال معلوم کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس مرض سے خالی نہیں ہیں۔

درحقیقت ایمان اور سچائی لازم ملزوم ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مذہب کا شخص بھی سچا دل اور سچی نیت والا ہو اور اس کے بعد وہ صحیح طور پر ایمان کی سچائی سے آشنا ہو جائے تو ضرور داخل اسلام ہو جاتا ہے، کیونکہ روشنی کی روشنی سے کبھی لڑائی نہیں ہوتی، یعنی اگر کہیں ایک بلب لگا ہو اور دوسرا بھی لگا دیا جائے تو مزید روشنی پھیلے گی نہ کہ ختم ہو جائے گی، لیکن اگر کمرہ میں اندھیرا ہے اور وہاں بلب لگا دیا جائے تو اندھیرا دور ہو جائے گا، معلوم ہوا روشنی کی روشنی سے لڑائی نہیں ہوسکتی، بلکہ روشنی کی تاریکی سے، ظلم کی انصاف سے لڑائی ہوتی ہے، انصاف کی لڑائی انصاف سے نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں دوستی ہے، لڑائی جبھی ہوتی ہے جب آپس میں ٹکراؤ ہو، اسی لیے اگر کوئی سچا دل، سچی زبان لے کر آئے پھر اسلام کا سچ دیکھ لے تو فوراً ہم آہنگ ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: تم پر سچائی لازم ہے، اور سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے، اور سچائی کو ہی اختیار کر لیتا ہے، تو وہ مقام صدیقیت کو پہنچ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کی راہ پر ڈال دیتی ہے، اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا: سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، پھر سچائی اور نیکی دونوں ہی آدمی کو جنت میں لے جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وہ جھوٹ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اس لیے کہ سچا آدمی جو بھی کہتا ہے ایک مرتبہ کہہ دیتا ہے اور عمر بھر اس کا وہی قول رہتا ہے، اور جھوٹا آدمی اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے ہر وقت اپنا قول بدل بدل کر پیش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت ایک الجھن میں گرفتار رہتا ہے اور جھوٹ بولتے بولتے جہنم رسید کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں فرمایا گیا کہ انسان کو سچ بولنے کی عادت ڈالتے رہنا چاہیے، یعنی انسان کو ہر اس چیز سے بچنا چاہیے جو آدمی کو مبالغہ اور بے جا تعریف پر آمادہ کرے، کیونکہ یہ سب جھوٹ کی اقسام ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے جھوٹ کی بدترین قسم بیان کرتے ہوئے فرمایا: بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آدمی نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس کے متعلق کہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔

اس حدیث سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جھوٹا خواب بیان کرنا

جھوٹ ہی میں شامل ہے، لیکن یہ مرض اس زمانہ میں بہت کثرت سے بعض ظاہری بزرگانِ دین میں بھی سرایت کرچکا ہے، جو کہ اپنی بزرگی بتانے کے لیے جھوٹے خوابوں کو ضرور بیان کرتے ہیں، اسی لیے جو لوگ زیادہ تر خواب دیکھتے ہیں وہ اکثر پکے جھوٹے ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ! یعنی بہت کم لوگ ایسے ہیں جو صحیح معنی میں خواب دیکھتے ہوں ورنہ اکثر خواب تو جھوٹے ہی رہتے ہیں، حضرت مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ فرماتے تھے: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے خواب میں رسول ﷺ کو دیکھا ہے لیکن وہ متبع سنت نہ ہو تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ پکا جھوٹا ہے، لیکن آج کل ہر کوئی بتاتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے، یہاں تک کہ بعض کے جھوٹ بولنے کی حد اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آنکھ بند کرتے ہی وہ خواب میں رسول ﷺ کی زیارت کرلیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

خواب کی دو قسمیں ہوتی ہیں؛ ایک خواب وہ ہے جو انسان سونے کی حالت میں سچا خواب دیکھتا ہے، اور ایک خواب وہ ہے جو آج کل رائج ہے یعنی انسان آنکھیں بند کرتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ میں کتنا بڑا بزرگ ہوں، بڑی تعداد میں لوگ میرے آگے پیچھے چل رہے ہیں، میں عمامہ باندھے ہوئے مسند نشیں ہوں، اور لوگ میرے سامنے نیازمندانہ بیٹھے ہیں تو یہ سب شیطانی خواب ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے پاس ایک طالب علم عربی پڑھتا تھا اور پڑھنے میں بہت ذہین تھا، اتفاق سے ایک روز اس کا کسی جنگل سے گزر ہوا جہاں اس کو جھاڑی سے کسی کے سلام کرنے کی آواز آئی، لیکن جب وہاں اس نے دیکھا تو اس کو کوئی نظر نہیں آیا، چنانچہ جب وہ اسی جگہ سے دوسرے دن گزرا تو پھر وہی سلام کی آواز آئی، اور ایسا محسوس ہوا کہ جھاڑی میں کوئی شخص ہے، لہٰذا جب یہ لڑکا وہاں گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ عمامہ باندھے ہوئے تشریف فرما تھے، انہوں نے لڑکے سے اس کی خیریت دریافت کی، اور معلوم کیا کہ آپ کیا پڑھتے ہیں؟ تو اس نے بتایا: میں تعلیم حاصل کررہا ہوں، لیکن بزرگ سے اس دن اتنی ہی بات پر اکتفا ہوا اور طالب علم گھر واپس آگیا، لیکن اس کے بعد ان بزرگ سے وقتاً فوقتاً روزانہ کی ملاقات شروع ہوگئی، چنانچہ انہوں نے ایک دن اس لڑکے سے کہا: تم نے قرآن حفظ کرلیا؟ لڑکے نے جواب دیا: نہیں، بزرگ نے کہا: اگر تم حافظ قرآن بن جاؤ تو تم کو بہت فائدہ ہوگا کیونکہ اس سے بہت فیض پہنچتا ہے، یعنی لڑکے کے اوپر اس طرح سے شیطانی وار کیا کہ اس کو برا بھی نہ لگے، لہٰذا لڑکا بزرگ کی اس نصیحت کو سن کر عربی تعلیم چھوڑ کر حفظ کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا اور اس نے آکر پورا قصہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے عرض کیا کہ ایک بزرگ اس طرح سے فرمارہے ہیں، جن سے میری اس اس طرح ملاقات ہوئی تھی، آپ فرمائیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حاجی صاحب نے کہا: وہ شیطان ہے جو تمہاری تعلیم کو محدود کرنا چاہتا ہے تاکہ تم نہ ادھر کے رہو اور نہ ادھر کے رہو، لیکن چونکہ لڑکا بھی ان بزرگ کے حلیہ کو دیکھ کر مرعوب ہوچکا تھا، اور یہ سمجھ رہا تھا کہ انہوں نے ایک اچھی چیز کے حاصل کرنے کا مشورہ دیا ہے، لہٰذا اس میں کچھ غلط نہیں ہوسکتا، اس نے یہ سب باتیں سوچ کر حضرت حاجی صاحب کا مشورہ نہ مانا بلکہ حفظ کرنا شروع کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حفظ میں نہ چل سکا، اور ذہنی الجھن کی وجہ سے پاگل تک ہوگیا، معلوم ہوا ان سب چکروں میں پڑنا ایک مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اسی میں الجھا رہے کہ فلاں بزرگ بہت اچھے نظر آرہے ہیں، یا فلاں بزرگ اس وقت زمانہ کا موضوع بنے ہوئے ہیں، بلکہ اصل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ متبع سنت کون ہے؟ اور اگر کسی شخص پر ذرا بھی یہ شبہ ہو کہ یہ سنت کے برخلاف ہے تو اس سے احتراز برتنا چاہیے، اس لیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ یعنی سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اس لیے کہ صحبت کا اثر لازمی طور پر انسان کی طبیعت پر پڑتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص جھوٹوں کی صحبت میں رہے گا تو جھوٹ بولنے کا عادی ہوگا جو کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے، اور سچوں کی صحبت میں رہے گا تو صدیق بنے گا جو کہ نبوت کے بعد سب سے بڑا مقام ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صدیق اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہی وہ واحد شخص ہیں جن کو دین کے معاملہ میں کبھی بھی کوئی شک پیش ہی نہیں آیا، یعنی نہ ان کی زبان اٹکی اور نہ دل کھٹکا، اسی لیے آپ صدیق کے مقام پر فائز ہوگئے، یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو صدیق ہوتا ہے اس کو نہ شک ہوتا ہے اور نہ ہی کھٹک پیدا ہوتی ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ

توحید کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تین جاہلی تصورات:

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام لائے ہوئے تھوڑا عرصہ گذرا ہے، اب اللہ کے فضل وکرم سے اسلام کا دور ہے، لیکن ابھی ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کاہنوں کے پاس نہ جانا، میں نے عرض کیا: ہم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شگون لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ ایک چیز ہے، جس کو لوگ اپنے دل میں پاتے ہیں، پس ان کو چاہیے کہ یہ چیز ان کو کام سے نہ روکے، میں نے عرض کیا: ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جو خط کھینچتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ایک نبی خط کھینچتے تھے تو اگر لوگوں کا خط ان کے خط کے موافق ہے تو ٹھیک ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۹۹)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں: (۱) کاہنوں کے پاس مت جاؤ (۲) پرندوں سے شگون مت لو (۳) زائچے مت بناؤ۔

پہلا تصور: حضرت معاویہ بن حکمؓ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ابھی تازہ تازہ اسلام لایا ہوں، ابھی مجھ سے زمانہ جاہلیت کچھ دور نہیں ہے، لہٰذا اس زمانہ کے بعض ایسے اعمال ہیں جن کے بارے میں مجھے اسلام کا نقطہ نظر نہیں معلوم ہے، اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ ہم میں بہت سے لوگ کاہنوں کے پاس جاتے تھے، کیا زمانہ اسلام میں یہ درست ہے؟ آپ ﷺ نے صاف فرمادیا کہ ان کے پاس مت جاؤ۔

ممانعت کی وجہ: اس صریح ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں اور اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں، اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ ہمارے لیے فلاں کام مفید ہے یا مضر؟ گویا ان سے مشورے لیتے ہیں اور ان کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غیب جانتے ہیں، جب کہ ان کاہنوں کا حال یہ ہے کہ ان کا شیاطین سے تعلق ہوتا ہے، اور شیاطین کا معاملہ یہ ہے کہ وہ آسمانوں کے اردگرد چکر مارتے رہتے ہیں اور کان لگائے رہتے ہیں، تاکہ وہاں سے کچھ سن گن مل جائے، اور پھر دنیا میں جوان کے اپنے چیلے چاپڑ ہیں ان کو آکر بتادیں اور دنیا میں ان کی چودھراہٹ قائم رکھیں، اسی چکر میں شیاطین آسمان پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کے کانوں میں کچھ پڑ جائے، اسی لیے وہاں شہاب ثاقب سے ان کی پٹائی ہوتی ہے اور وہ بری طرح وہاں سے بھاگتے ہیں، لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ ان کے کان میں کوئی جملہ پڑ جاتا ہے اور وہ اس کو اپنے دوستوں سے آکر بیان کرتے ہیں، پھر وہ سب مل کر اس ادھورے جملہ پر اپنی قیاس آرائی کرتے ہیں، اور اس میں نمک مرچ لگاتے ہیں اور اس کے بعد اپنے پاس آنے والوں کو اس کی روشنی میں الٹی سیدھی باتیں بتاتے ہیں، ظاہر ہے شیاطین کو آسمان سے جو آدھا پونا جملہ ملتا ہے اس سے بات واضح نہیں ہوسکتی، اسی لیے وہ ایسے جملے اختیار کرتے ہیں کہ چت بھی ان کی اور پٹ بھی ان کی، یعنی ایسا جملہ بولتے ہیں کہ اگر کوئی کہے آپ نے تو یہ کہا تھا تو وہ جواب میں کہیں گے؛ ہاں ہم نے یہی تو کہا تھا اور اگر اس کے خلاف کوئی دوسری بات ہوجائے اور آدمی آکر کہے کہ آپ نے تو یہ کہا تھا تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہم تو یہی کہہ رہے تھے، غرض کہ وہ بالکل مبہم اور غیر متعین بات کہتے ہیں، اور جب بات مبہم ہوگی تو آدمی جو چاہے اس کو معانی پہنادے، بس اسی طرح وہ اپنی دوکان چمکاتے ہیں، کاہنوں کا یہ دستور پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے، بہت سی جگہوں پر ایسے لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ ان سے جاکر اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں، اور قسمت کا حال معلوم کرکے ان کے ہاتھوں اپنی قسمت کھوتے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے ایسی نامناسب چیزوں سے تعلق رکھنے کو صاف صاف منع کردیا۔

دوسرا تصور: صحابی مذکور نے دوسری بات یہ کہی کہ پرندوں سے شگون لینے کا ایک پرانا دستور چلا آرہا ہے، اور لوگوں کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر پرندہ آدمی کے ہاتھ سے اڑ کر دائیں طرف جائے گا تو کام بن جائے گا اور اگر بائیں طرف جائے گا تو کام نہیں بنے گا، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز ہرگز لوگوں کو یہ عمل کام سے نہ روکے، مثلاً: کسی کے آگے سے بلی راستہ کاٹ گئی تو وہ صاحب راستہ پلٹ گئے اور کام کو نہیں گئے، مذکورہ

حدیث میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق آپ ﷺ نے صاف کہہ دیا کہ ہرگز ہرگز یہ چیزان کو کام سے نہ روکے، کیونکہ اس عمل سے کسی کے کام نہیں رکتے، آدمی جو کام کر رہا ہے اس کو وہ کرنا چاہیے، کام اللہ کے کرانے سے ہوتے ہیں، اس کے فضل وحکم سے ہوتے ہیں، اور بلی راستہ کاٹ گئی یا پرندہ بائیں طرف چلا گیا اور الو بول گیا ان چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا ہے، گویا اس حدیث میں آپ ﷺ نے صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ تم اپنے گھر سے جو عزم لے کر نکلو اس کو مکمل کرو، اپنا کام کرو، بات آگے بڑھاؤ، اور کسی موہوم نظریہ کو لے کر نہ بیٹھ جاؤ، یہ وہمیوں اور خرافاتیوں کے طریقے ہیں جو ان چیزوں پر دھیان دیتے ہیں۔

عقلی سطح: موجودہ دور میں بھی ایسے بہت سے عقل کے مارے نظر آتے ہیں جو انہیں چکروں میں پڑے رہتے ہیں، ایک زمانہ میں لکھنؤ ڈالی گنج پل پر ایک شخص طوطے کو پنجرے میں لیے بیٹھا رہتا تھا، اور اس کے پنجرے میں بہت سارے کاغذات ہوتے تھے، جن میں لوگوں کی قسمتیں لکھی ہوتی تھیں، اور لوگ اس کے پاس آکر اپنی اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے تھے، لہٰذا جب بھی کوئی شخص آتا اور اپنی قسمت معلوم کرتا تو وہ اس طوطے کو چھوڑ دیتا پھر وہ طوطا اپنی چونچ میں ان کاغذات میں سے جو کاغذ اٹھا کر لا دیتا، وہ شخص اس کاغذ کو کھول کر آنے والے شخص کی قسمت بتاتا تھا، ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں ہوگی کہ آدمی کی قسمت طوطے کی چونچ میں ہو جائے، اور وہ جا کر جو کاغذ اٹھا لائے وہ آدمی کی قسمت ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ آدمی کے دماغ کی خرابی کی بات ہے، جب وہ گرتا ہے تو جانوروں سے بھی زیادہ گر جاتا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے؛

﴿أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الأعراف: ۱۷۹)

(وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں) یعنی ایسے لوگ جانوروں سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں، جانوروں میں بھی کسی حد تک عقل ہوتی ہے، لیکن جب انسان کی عقل ماری جاتی ہے تو وہ جانور سے آگے چلا جاتا ہے، معلوم ہوا پرندوں سے شگون لینے کا رواج ہر زمانہ میں رہا ہے، لوگ پرندوں سے شگون لیتے تھے کہ اگر اس طرف اڑا تو یہ ہوگا اور اس طرف اڑا تو یہ ہوگا، ان سب خیالات کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسی تمام چیزیں لغویات ہیں، اور ان کے چکر میں پڑنا عقیدہ کو خراب کرنا ہے۔

خدا تعالیٰ کے فیصلے: اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے، اس کا ہر معاملہ عجیب وغریب ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسی عقلیں ہوتی ہیں، اسی کے اعتبار سے فیصلے بھی فرما دیتا ہے، قرآن مجید میں بھی اس راز کی طرف اشارہ ہے، ارشاد الٰہی ہے؛

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾ (وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے)

معلوم ہوا جو راہ راست سے پیچھے ہٹتا ہے، اس کو ہم ایک دھکا اور مارتے ہیں، گویا یہ اللہ کا ایک نظام ہے کہ جو آگے بڑھتا ہے اس کو اور آگے کیا جاتا ہے اور جو پیچھے جاتا ہے اس کو مزید پیچھے کیا جاتا ہے، اسی لیے ایسا بہت دیکھا گیا ہے کہ آدمی جو عقیدہ رکھتا ہے اسی عقیدہ کے مطابق ہو بھی جاتا ہے۔

ہمارے یہاں ایک مشہور قصہ ہے، جس کو مولوی محمود حسن حسنی ندوی کے پھوپھا سناتے تھے کہ ان کے ایک مسلمان دوست اور وہ خود ایک جگہ افسر تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کی بات ہے، ہم دونوں آفس ایک ساتھ جارہے تھے کہ اچانک بلی راستہ کاٹ گئی، بس وہ کہنے لگے بلی راستہ کاٹ گئی لہٰذا آگے جانا مناسب نہیں ہے، انہوں نے ان کو بہت سمجھایا کہ یہ بالکل لغو بات ہے، بلی کے راستہ کاٹنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے، ہم کو کئی مرتبہ واسطہ پڑ چکا ہے، مگر وہ ان کے سمجھانے سے کسی صورت نہ مانے، اور یہی کہتے رہے کہ جب بلی راستہ کاٹ جائے تو بہت منحوس ساعت ہوتی ہے، اس لیے اب میرا آگے جانا مناسب نہیں ہے، البتہ جب انہوں نے ان کو بہت سمجھایا، تو وہ بات مان گئے اور آفس چلے گئے، مگر چونکہ دل اندر دھک دھک ہو رہا تھا، اس لیے قسمت کے مارے جب آگے چلے تو ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، بس وہ فوراً کہنے لگے کہ دیکھئے حسنی صاحب! ہم نے کہا تھا؛ بلی راستہ کاٹ گئی ہے، لہٰذا ہمارا جانا مناسب نہیں ہے، اس پر انہوں نے کہا؛ راستہ تو ہمارا بھی کاٹا ہے، ہم بھی تو ساتھ میں تھے، لیکن ہمارا ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں پہلے سے فتور بیٹھا تھا، گویا پہلے ہی آپ کا ہاتھ دماغ میں ٹوٹ چکا تھا اور پھر وہی عمل میں بھی ٹوٹ گیا......... (باقی صفحہ نمبر ۱۱ پر)

عالم آخرت پر ایمان

عبدالسبحان ناخدا ندوی

انسان اپنی ہستی اور وجود کے لحاظ سے اللہ کی وحدانیت پر گواہ ہے، وہ کیا تھا؟ ایک معدوم شیٔ، جس کا سرے سے وجود ہی نہ تھا، پھر وہ پیدا ہوا، اس عالم ہستی میں وارد ہوا، پھر کچھ مدت کے بعد اسے لازماً موت آجائے گی، جو اپنی ہستی کے لحاظ سے اس قدر نا قابل اعتبار ہے، وہ کس منہ سے اپنے پیدا کرنے والے کا منکر ہوسکتا ہے؟ اس کے انکار کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اسے تو اپنی تمام تر سچائیوں کے ساتھ مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا چاہیے، قرآن کریم میں ایک موقع پر اظہار تعجب کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آخر انسان کفر کیسے کرلیتا ہے، جب کہ وہ اپنی ہستی اور وجود کے لحاظ سے اللہ کی وحدانیت پر گواہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كَيۡفَ تَكۡفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنتُمۡ أَمۡوَاتاً فَأَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ يُمِيتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيكُمۡ ثُمَّ إِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ﴾(البقرة: ۲۸)

(تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

اس آیت میں خطاب کافروں سے ہے جن میں یہود ونصاری سب شامل ہیں، مشرکین عرب اس کا اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلۡتَهُم مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ﴾(الزخرف: ۸۷) (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے انہیں پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے)

مشرکین عرب کا کفر یہ تھا کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کے مقام تک پہنچایا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو اللہ کی قدرت سے بعید سمجھا، عیسائیوں کا کفر یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا یا عین اللہ ہی قرار دیا، یہود کا کفر یہ تھا کہ اللہ کے شان میں گستاخیاں کیں، اور اللہ کی شریعت کو کھیل تماشے کی حیثیت دی، اللہ کے پیغام کو ٹھکرانے میں ذرا بھی شرم نہ کی، ملحدین اور دہریوں کا کفر یہ ہے کہ سرے سے اللہ کی ذات ہی کو تسلیم نہیں کیا اور بڑی بے شرمی سے یہ احمقانہ خیال قائم کیا کہ کائنات کا یہ سارا نظام خود بخود وجود میں آیا اور خود بخود اپنی ترتیب قائم کی اور خود بخود اپنی قائم کی ہوئی ترتیب پر چل نکلا، علت و معلول کے درمیان باریک سے باریک ربط تلاش کرنے والے خالق ومخلوق کے درمیان کوئی ربط تلاش نہ کرسکے اور وہاں پہنچ کر ہار گئے، جہاں ان کو کامیابی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی:

﴿بَلِ ادَّارَكَ عِلۡمُهُمۡ فِي الۡآخِرَةِ بَلۡ هُمۡ فِي شَكٍّ مِّنۡهَا بَلۡ هُم مِّنۡهَا عَمُونَ﴾(النمل: ٦٦)

(آخرت کے بارے میں ان کا علم جواب دے گیا بلکہ وہ شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ پورے اندھے ہیں اس معاملہ میں)

سچ ہے الحاد اور دہریت سے بڑھ کر اس کائنات میں کوئی حماقت نہیں، ایک نادان بچہ بھی کسی معمولی چیز سے متعلق ''کیسے'' کا سوال قائم کرتا ہے اور ''خود بخود'' کے جواب سے مطمئن نہیں ہوتا تو آخر اتنی عظیم الشان کائنات سے متعلق ''کیسے'' اور ''کیوں'' کے جواب کو ''خود بخود'' کے اندھے کنوئیں میں کیسے دھکیلا جاسکتا ہے؟ جب کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو بزعم خود یہ دعوی ہے کہ انہوں نے کائنات کے اسرار کو پالیا ہے، ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا، اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا۔

آیت بالا میں انسان کی بے بسی کی مکمل تصویر کشی کردی گئی ہے، فرمایا: ﴿وَكُنتُمۡ أَمۡوَاتاً﴾ (جبکہ تم مردہ تھے)

آیت میں انسان کی مکمل بے بسی کی تصویر ہے، تاکہ اللہ رب العزت کی عظمت انسان کے قلب وذہن میں پیوست ہوجائے، یہ انسانی فطرت ہے کہ جس کے سامنے اپنی بے بسی کا جس قدر احساس ہوتا ہے، اس کی ویسی ہی عظمت اس کے دل پر نقش ہوجاتی ہے۔

انسانی زندگی کے تین مرحلے ایسے ہیں جن کا ہر انسان تعین کرتا ہے: ۱-مردہ سے زندگی بخشنا، ۲-زندگی سے موت دینا، ۳-موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا۔

قرآن کریم میں انہیں مراحل کو بنیاد کر بعد کے مراحل پر بھی ایمان رکھنے کی دعوت دی گئی ہے، جب انسان شروع کے تین مراحل میں بالکل بے دست وپا ہے تو پھر بعد کے مراحل کا انکار آخر کس بنیاد

پر کر سکتا ہے۔

مذکورہ آیت ہی سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے برزخی زندگی یا عذاب قبر کا انکار کیا ہے، لیکن انکار کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ احادیث سے برزخی زندگی ثابت ہے، اس آیت میں برزخی زندگی کی نفی نہیں ہے، اس میں صرف ان زندگیوں کے بارے میں وضاحت ہے جسے حاصل کرنے میں سب یکساں ہیں، اور جو بنیادی زندگیاں ہیں، اس لحاظ سے دو زندگیاں بنیادی ہیں، ایک دنیاوی زندگی، جسے ہم "دار العمل" کہتے ہیں، دوسری اخروی زندگی جو قیامت قائم ہونے کے بعد شروع ہوگی، اسے "دار الجزاء" کہتے ہیں، اس کے علاوہ کئی زندگیاں ہیں جو ضمنی حیثیت رکھتی ہیں، قرآن کریم عام طور پر بنیادی امور بیان کرتا ہے، اس لیے یہاں بھی خاص دو زندگیوں کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ برزخی زندگی بھی ہے، یہ اخروی زندگی کے تابع ہے، کسی کے حق میں یہ زندگی طاقتور ہوتی ہے، جیسے نبی، کسی کے حق میں یہ نہایت پر بہار ہوتی ہے، جیسے شہداء کی زندگی، کسی کے لیے ایسی نفیس کہ ان کے اجسام تک پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسے انبیاء کی زندگی، لیکن چونکہ یہ ضمنی زندگی ہے، اس لیے اس کا الگ سے ذکر نہیں کیا گیا، اس طرح دیکھا جائے تو تمام انسانوں کی ارواح کو اللہ نے پیدا کر کے ان سے عہد لیا، لہٰذا یہ ایک زندگی ہوئی، اس سے پہلے کی حالت کو موت سے تعبیر کیا جائے، پھر عہد کے بعد وہ دوبارہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے تک بے جان یا معدوم ہی رہے، پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ دوسری زندگی ہوگی، یہ ارواح کی پیدائش اور اس سے سوال بھی درحقیقت ایک ضمنی زندگی ہے، جسے ہم اس دنیاوی حقیقی زندگی کے لیے ایک تمہید قرار دے سکتے ہیں، اسی طرح اللہ نے دنیا میں جس کسی کو موت دے کر دوبارہ زندہ کیا وہ بھی ایک طرح سے ضمنی اور ذیلی زندگی ہی ہے، اسی معاملہ کو اور وسعت دی جائے تو رات کے وقت کی ہر نیند ایک موت ہے، اور جسم کی ہر بیداری ایک نئی زندگی ہے۔ لیکن یہ ساری نیندیں اور بیداریاں ایک زندگی کے تابع ہیں، اس لیے قرآن بنیادی باتوں کے دوران اس طرح کے ذیلی مباحث بیان نہیں کرتا، برزخی زندگی کو بھی اسی کی قبیل سے سمجھا جائے، باقی اس زندگی کا ثبوت احادیث سے ثابت ہے جس میں ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں۔

بقیہ: توحید کیا ھے؟

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بہت عجیب ہے کہ آدمی جیسا عقیدہ رکھتا ہے ویسا ہی ہو بھی جاتا ہے، اور پھر آدمی اسی غلط بات پر پختہ یقین کر لیتا ہے، ظاہر ہے یہ سب لغو باتیں ہیں، ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک طرح کے مشرکانہ عقیدے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہیے، حالات کیسے بھی ہوں اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں، اور اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ نہیں ہے تو کہاں کہاں انسان ٹھوکر کھائے گا اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

تیسرا تصور: مذکورہ حدیث میں تیسرا سوال یہ ہے کہ کچھ لوگ کاغذ پر زائچے بناتے ہیں اور ان زائچوں سے ایک خاص حساب لگاتے ہیں، اور اس حساب کی بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں، اس عمل کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نبی تھے جن کا یہ خاص فن تھا، وہ زائچے بناتے تھے اور خاص انداز سے لکیریں کھینچ کر اس سے حساب لگاتے تھے، اور پھر لوگوں کو خاص طریقہ سے ان کے مسائل بتاتے تھے، اب اگر وہ طریقہ کوئی جانتا ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے، لیکن جب آپ ﷺ نے فرمادیا کہ یہ طریقہ کوئی جانتا ہو تو کرے، اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ کوئی شخص بھی وہ طریقہ نہیں جانتا ہے اور جب نہیں جانتا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا بھی درست نہیں ہے، اس لیے آج جو لوگ زائچے بناتے ہیں، لکیریں کھینچتے ہیں اور ان سے قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں، یہ بالکل درست نہیں ہے، اور یہ عمل ناجائز و حرام ہے، اس لیے کہ یہ طریقہ نبیوں والا طریقہ نہیں ہے، حدیث شریف میں جن نبی کا آپ ﷺ نے تذکرہ کیا ہے، ان کا طریقہ کیا تھا؟ وہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے، لہٰذا جب وہ طریقہ نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ اب کسی کے لیے اس طریقہ کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اب جو بھی وہ طریقہ اختیار کرے گا وہ اپنے ذہن سے کرے گا اور جب اپنے ذہن سے کرے گا تو کہاں ٹھوکر کھائے گا کچھ نہیں پتہ، لہٰذا جب نبی کا طریقہ نہیں معلوم ہے، اس لیے کسی کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ لکیریں کھینچ کر کسی کی قسمت کا حال معلوم کرے۔

میت کو کفن دلانے کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

کفن کا حکم: میت کو کفن دلانا فرض کفایہ ہے، اور یہ زندہ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مردہ کو کفن دلائیں۔
(شامی:۱/۶۳۶، ہندیہ:۱/۱۶۰)

کفن کا خرچ کس کے ذمہ ہوگا:

۱-اگر میت کا ذاتی مال موجود ہو تو قرض کی ادائیگی وصیت کے نفاذ اور وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کے کفن دفن (غسل، خوشبو، کفن، جنازہ اور دفن) کے مصارف اس کے مال سے پورے کیے جائیں گے۔

۲-اگر میت نے مال نہ چھوڑا ہو تو اس کے کفن و دفن کے مصارف اس شخص پر ہوں گے جس پر زندگی میں اس کا نفقہ لازم تھا، اور اگر کئی طرح کے لوگ ہوں تو کفن دفن کے مصارف ہر ایک پر میت کی میراث میں ان کے حصوں کے بقدر ہوں گے۔

(اگر کوئی اختلافی بات پیش آئے تو اس کی تفصیلات کسی عالم سے معلوم کر لی جائیں، عام طور سے اس میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، اس لیے تفصیلات نہیں لکھی گئیں)

۳-اگر کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر اس کا نفقہ واجب تھا تو اگر حکومت اسلامی ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری حکومت کی ہوگی۔

۴-اگر اسلامی حکومت یہ ذمہ داری نہ نبھائے، یا ہندوستان کی طرح غیر اسلامی حکومت ہو تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ اس کے کفن و دفن کا نظم کریں، خود نہ کر سکتے ہوں تو چندہ کر کے کریں، ورنہ سب گنہ گار ہوں گے۔

۵-عورت کا کفن اس کے شوہر کے ذمہ ہوگا، خواہ عورت کا ذاتی مال ہی کیوں نہ موجود ہو، اور مرد کا کفن عورت کے ذمہ نہیں ہوگا، خواہ عورت مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ (شامی:۱/۶۳۹، ہندیہ:۱/۱۶۱)

کفن کی قسمیں: مرد و عورت دونوں کے کفن تین طرح کے ہوتے ہیں: کفن سنت، کفن کفایت اور کفن ضرورت۔

مرد کا کفن سنت: کفن سنت مرد کے لیے تین کپڑوں کا ہوتا ہے:

(۱) ازار (لنگی) یہ سر سے پاؤں تک رہے گی۔ (۲) لفافہ (چادر) ازار سے لمبائی میں کچھ زیادہ، تاکہ اس میں میت کو لپیٹا جا سکے، اور اوپر نیچے باندھا جا سکے۔ (۳) قمیص (کفنی یعنی بغیر آستین اور بغیر کلی کا کرتہ) یہ گردن سے پاؤں تک رہے گی۔
(شامی:۱/۶۳۶، ہندیہ:۱/۱۶۰)

عورت کا کفن سنت: عورت کے کفن میں مسنون کپڑے پانچ ہیں:

(۱) ازار، سر سے پاؤں تک۔ (۲) لفافہ، ازار سے لمبائی میں کچھ زیادہ۔ (۳) کفنی، گردن سے پاؤں تک بغیر آستین کی قمیص۔ (۴) خرقہ، (سینہ بند) پستان کے اوپر سے رانوں تک رہے تو بہتر ہے، ورنہ اگر صرف اتنی لمبائی ہو جس سے پستان اور پیٹ چھپ سکیں تب بھی جائز ہے۔ (۵) خمار (اوڑھنی) تین ہاتھ کی۔
(شامی:۱/۶۳۷، ہندیہ:۱/۱۶۰)

مرد کا کفن کفایت: مرد کے کفن کفایت میں دو کپڑے ہوتے ہیں؛ (۱) ازار، (۲) لفافہ۔

عورت کا کفن کفایت: عورت کے کفن کفایت میں تین کپڑے ہوتے ہیں، ایک اوڑھنی، دوسرے لفافہ کفنی اور ازار میں سے کوئی بھی دو کپڑے، لیکن ازار اور لفافہ ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ (ایضا)

کفن ضرورت: مندرجہ بالا دونوں طریقوں سے کم کفن دینا مکروہ ہے، البتہ اگر دستیاب ہی نہ ہو تو جتنا میسر ہو دے دیا جائے، البتہ کسی نہ کسی چیز (مثلا: پتوں یا گھاس وغیرہ) سے پورا بدن ضرور ڈھانپ دینا چاہیے۔ (شامی:۱/۶۳۷-۶۳۸)

مردوں کے لیے تین کپڑوں کے مسنون ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کو مقام سحول کے تیار کردہ سوت کے تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا، اس میں نہ (سلی ہوئی) قمیص تھی، نہ عمامہ۔ (بخاری)

اور عورتوں کے لیے پانچ کپڑوں کے مسنون ہونے کی دلیل حضرت لیلیٰ بنت ثقیفہ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ "میں ان عورتوں میں تھی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم

رضی اللہ عنہا کو غسل دلایا تھا، آپ ﷺ نے سب سے پہلے ہم کو لنگی دی، پھر درع (عورتوں کی قمیص) پھر اوڑھنی، پھر ملحفہ (باندھنے کے لیے کپڑے کا ٹکڑا) پھر اخیر میں انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ دیا گیا، فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے پاس ان (حضرت ام کلثوم) کا کفن تھا، جو آپ ہمیں ایک ایک کر کے دے رہے تھے۔ (ابوداؤد)

کفن دلانے کا طریقہ: سب سے پہلے چارپائی بچھا کر اس پر کفن رکھا جائے، اور ایک تین یا پانچ مرتبہ اس کو لوبان کی دھونی دی جائے، پھر چارپائی پر پہلے لفافہ (سب سے اوپر اوڑھنے والی چادر) بچھایا جائے، پھر اس کے اوپر ازار بچھایا جائے، پھر میت کو غسل کے تختہ سے آہستگی سے لایا جائے، اور اسے قمیص پہنا دی جائے، قمیص پہنانے کے بعد اندر ہی اندر سے وہ کپڑا نکال لیا جائے، جو غسل دلانے کے لیے پہنایا گیا تھا، اس کے بعد میت کے سر اور داڑھی پر عطر لگایا جائے، مرد کو زعفران اور ورس کے علاوہ کوئی بھی عطر لگا سکتے ہیں، عورت کو یہ دو چیزیں بھی لگا سکتے ہیں، پھر میت کی پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور پیروں یعنی تمام اعضاء سجدہ پر کافور مل دیں۔

میت اگر عورت ہے تو اب سر کے بال دو حصوں میں کر کے درع (قمیص یا کفنی) کے اوپر سینہ پر دائیں بائیں ڈال دیا جائے، پھر اوڑھنی سر اور بالوں پر ڈال دی جائے، اس کو لپیٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد پہلے بائیں جانب سے ازار کو لپیٹا جائے، اس کے بعد دائیں جانب سے، اسی طرح لفافہ کو بھی پہلے بائیں طرف سے لپیٹا جائے پھر داہنی طرف سے، تاکہ داہنی جانب کا کفن اوپر رہے، پھر کپڑے کی پٹی سے کفن کو سر اور پاؤں کی طرف سے نیز درمیان میں کر کے نیچے سے باندھ دیا جائے، تاکہ کفن کسی وجہ سے کھلنے نہ پائے۔ (شامی: ۱/ ۶۳۶، احکام میت: ۵۵-۵۶)

عورت کے خرقہ کا حکم: جہاں تک خرقہ (سینہ بند) کا تعلق ہے تو اس میں فقہاء نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ اس کو تمام کفنوں کے اوپر پستانوں سے گھٹنوں تک لپیٹ دیا جائے یا ازار کے اوپر اور لفافہ کے نیچے لپیٹا جائے، یا ازار کے نیچے اور کفنی (قمیص) کے اوپر لپیٹا جائے۔ (شامی: ۱/ ۶۳۸، بدائع: ۲/ ۴۱)

تین کپڑوں پر اضافہ: اوپر حضرت عائشہ سے مروی حدیث میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں دفن کیا گیا تھا، جس میں عمامہ اور سلی ہوئی قمیص نہیں تھی، لہٰذا مرد کے کفن میں تین پر اضافہ کرنا یا عمامہ باندھنا خلاف سنت ہوگا۔

جب قبر میں لاش بغیر کفن نظر آئے: اگر کوئی قبر کھدی ہوئی اس حال میں نظر آئے کہ میت بغیر کفن کے ہو تو اگر وہ لاش جلد ہی دفن کی گئی تھی اور پھٹی پھولی نہیں ہے تو دوبارہ اس کو مسنون کفن دیا جائے، جس کا اوپر ذکر ہوا، اور اگر لاش پھٹ پھول گئی ہے تو صرف ایک کپڑے کا کفن دیا جائے۔
(شامی: ۱/ ۶۳۸، ہندیہ: ۱/ ۱۶۱)

بطور برکت کسی کپڑے کا کفن میں استعمال:

حضرت ام عطیہ کی طویل حدیث میں ہے کہ جب آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہوا تھا تو آپ نے غسل کا طریقہ سمجھایا تھا، اس کے اخیر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب غسل سے فارغ ہو جانا تو ہمیں اطلاع کرنا، چنانچہ جب ہم فارغ ہوئے تو ہم نے آپ کو اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ہمیں اپنی لنگی دی اور فرمایا: اس کو جسم سے متصل کر کے پہنا دو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے استعمال شدہ کپڑے کو بھی استعمال کرنا نہ صرف جائز بلکہ نئے کپڑوں سے بھی بہتر ہے، اس کپڑے کو یا کفنی کے طور پر استعمال کرے یا چھوٹا ہو تو کفنی میں جوڑ کر استعمال کرے، یہی حکم زمزم میں تر کیے ہوئے کپڑے اور غلاف کعبہ کا بھی ہے، لیکن غلاف کعبہ پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں تو ان کو کفن کے طور پر استعمال کرنا بے ادبی کے سبب ممنوع ہوگا۔ (احکام میت: ۴۶)

جس طرح کے کپڑے زندگی میں پہننا جائز ہے، اسی طرح کے کپڑے کا کفن دینا بھی جائز ہے، چنانچہ مردوں کے لیے ریشم وغیرہ کا کفن ناجائز ہے، عورتوں کے لیے درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ سفید کپڑوں کا کفن دیا جائے، کپڑا نیا ہو یا پرانا، اگرچہ رنگین کپڑے کا کفن بھی جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۶۳۹)

شام کی خانہ جنگی

ایک تجزیہ

مولانا ندیم الواجدی

خانہ جنگی کے شکار ملک شام میں معصوم شہریوں کی ہلاکت کا سلسلہ جاری ہے، گذشتہ ہفتے سے صدر بشار الاسد کی فوجیں روس اور ایران کی مدد سے غوطہ شرقیہ نامی علاقے پر لگاتار زمینی اور فضائی حملے کر رہی ہیں، پورا علاقہ ملکی فضائیہ اور زمینی دستوں کے محاصرے میں ہے، ان حملوں میں اب تک پانچ سو شہری ہلاک ہو چکے ہیں، ان میں ڈیڑھ سو کے قریب معصوم بچے بھی شامل ہیں، سوشل میڈیا پر مہلوک اور زخمی بچوں کی دل دہلا دینے والی تصویریں لگاتار وائرل ہو رہی ہیں، لیکن پوری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، بین الاقوامی برادری شام کی ظالم اور سفاک حکومت کو ان مظالم سے باز رکھنے میں پوری طرح ناکام ہے، اگرچہ زبانی مذمت کا سلسلہ جاری ہے، مگر عملی طور پر کوئی ٹھوس اقدام نہیں کیا جا رہا ہے، اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بڑے بے بس نظر آ رہے ہیں، وہ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ شام کے دونوں متحارب گروپ ایک ماہ کی جنگ بندی پر راضی ہو جائیں تاکہ جنگ زدہ علاقوں میں امدادی سامان پہنچایا جا سکے، زخمیوں کی مرہم پٹی ہو اور مہلوکین کی صحیح تعداد معلوم ہو جائے۔

خبر ہے کہ سلامتی کونسل نے شام میں تیس دنوں کے لیے جنگ بندی کی تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی ہے، روس سے خدشہ تھا کہ اگر سلامتی کونسل میں اس نوعیت کی کوئی تجویز آتی ہے تو وہ اسے ویٹو کر دے گا، اس خدشے کے پیش نظر کئی مرتبہ ووٹنگ ملتوی کی جا چکی تھی، یہ بھی خبر ہے کہ قرارداد کی منظوری کے باوجود فضائی بمباری کا سلسلہ جاری ہے، یہ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ بشار کی فوجیں جن کی پشت پر طاقتور روس ہے، کسی بھی قیمت پر جنگ بندی کے فیصلے کا احترام نہیں کریں گی، اور ان کی طرف سے ''باغیوں'' اور ''دہشت گردوں'' کی سرکوبی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

شام کئی سالوں سے خانہ جنگی کا شکار ہے، پورا ملک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے، نصف کے قریب آبادی ترک وطن کر چکی ہے، ہزاروں افراد محفوظ مقامات تک پہنچنے کے لیے سمندروں میں سفر کرتے ہوئے غرقاب ہو چکے ہیں، تباہی اور بربادی کا یہ سلسلہ رک سکتا تھا اگر بڑی طاقتیں اپنی جنگجو فطرت کی تسکین کے لیے اور اپنے ہتھیاروں کو ٹھکانے لگانے کی خاطر اس خطے کو جنگ کے میدان میں تبدیل نہ کرتیں۔

شام جسے عربی میں سوریا اور انگلش میں Syria کہتے ہیں، مشرق وسطی کا قدیم ترین ملک ہے، براعظم ایشیا کی آخری حدود پر واقع یہ ملک عرب جمہوریہ شام کہلاتا ہے، اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں فلسطین اور اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی واقع ہے، قدیم زمانے میں شام کا اطلاق اس پورے خطہ پر ہوتا تھا، جس میں اب سوریا، لبنان، اردن، فلسطین اور اسرائیل واقع ہیں، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۱۳ھ میں حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ عراق سے فارغ ہو کر شام کا رخ کریں، اس طرح فتوحات شام کا سلسلہ شروع ہوا، جو ۱۴ھ میں اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچا جب حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفۃ المسلمین بن چکے تھے، اس سے پہلے یہاں بازنطینی حکومت قائم تھی، شام کا موجودہ دار الحکومت دمشق تقریباً اسی برس تک خلفاء بنوامیہ کا دار الخلافہ بھی رہا ہے، ویسے بھی یہ انبیاء کرام کی سرزمین ہے، اس کا چپہ چپہ پیغمبران خدا کے قدموں سے منور رہا ہے، ایک روایت کے مطابق جو حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے اور جسے فنی اصطلاح میں حدیث متواتر کہا جاتا ہے، خروج دجال کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر اتریں گے اور باب لد پر جا کر دجال کو قتل کریں گے، یہ علاقہ پہلے متحدہ شام کا حصہ تھا اور اب اسرائیل میں ہے، اس واقعے سے پہلے حضرت امام مہدی حجاز مقدس سے ہجرت کر کے دمشق میں آ کر قیام کریں گے، اس کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرزمین شام اور اس کے پایہ تخت دمشق سے اسلام اور مسلمانوں کا محبت اور عقیدت کا رشتہ ہے، مشہور محدث اور مؤرخ حافظ ابن عساکر جنہوں نے اسی جلدوں میں دمشق کی تاریخ لکھی ہے فرماتے ہیں کہ: ایک زمانے میں دس ہزار لوگ اس شہر میں ایسے موجود تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا، ذخیرۂ حدیث میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جن میں شام کو بابرکت

زمین کہا گیا ہے، حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: شام کتنی مبارک جگہ ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا وہ کیسے یارسول اللہ! فرمایا: میں اللہ کے فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے شام کے اوپر اپنے پر پھیلا دیے ہیں، (ترمذی) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب فتنے رونما ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا، (طبرانی) غیر منقسم ارض شام کی فضیلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس سرزمین پر مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول بھی ہے، آج کل شام کے شہر الغوطہ پر حملے ہو رہے ہیں، اس شہر کے متعلق بھی سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد مبارک موجود ہے فرمایا: خونریز جنگ کے دن مسلمانوں کی پناہ گاہ غوطہ ہوگا، جو اس شہر کے کنارے پر واقع ہے، جسے دمشق کہا جاتا ہے، یہ شام کے شہروں میں سے بہترین شہر ہے۔ (ابوداؤد)

ملک شام ۶۳۶ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلمانوں کے زیرنگیں رہا ہے، آخر میں سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا، شریف مکہ نے برطانیہ کی شہہ پر خلافت عثمانیہ سے بغاوت کی، اولاً وہاں ایک کٹھ پتلی سرکار قائم ہوئی، ۱۹۲۰ء میں فرانس نے اس پر قبضہ کرلیا اور اس عظیم الشان ملک کو چھ ریاستوں میں تقسیم کردیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کی طاقت کمزور پڑگئی اور وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ اب وہ شام پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ پائے گا، ان حالات میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے ملک سے نکل جانا چاہیے، اس طرح ۱۹۴۶ء میں اس ملک کو فرانسیسی استعمار سے آزادی تو مل گئی لیکن وہاں عرصے تک کوئی مستحکم اور مضبوط حکومت قائم نہ ہوسکی، مختلف وقتوں میں کئی فوجی انقلاب آئے، کئی حکومتیں بنیں، ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۶ء تک صرف دس برسوں میں یہاں بیس سے زیادہ حکومتیں قائم ہوئیں، چار سے زائد بار دستور بنا کر نافذ کیے گئے، اگلے چند برس بھی اسی اتھل پتھل کی نذر ہوگئے، ۱۹۶۴ء میں حافظ امین برسر اقتدار آئے، ان کی حکومت میں اگرچہ ہر طبقے کی نمائندگی تھی مگر اصل اختیار فوج کو تھا، موجودہ صدر کے والد حافظ الاسد نے جو اس حکومت میں وزیر دفاع تھے، ۱۹۷۰ء میں فوجی بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا، ان کے اقتدار کی کل مدت تیس سال ہے، یہ شخص علوی نصیری تھا، اس فرقے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے، اور اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ اس نے دشمنان اسلام کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے، حافظ الاسد نے برسر اقتدار آنے کے بعد سنی مسلمانوں کو کنارے لگا دیا، فوج اور حکومت کے تمام بڑے عہدے نصیری فرقے کے لوگوں میں تقسیم کردیے، عملاً یہ ملک حافظ الاسد کی جاگیر بن گیا جو بھی اس کے راستے میں آیا اس نے اسے حرف غلط کی طرح مٹادیا، اس نے بیس ہزار علماء اہل سنت کو یا تو قتل کرادیا یا جیلوں میں ڈلوادیا، ۱۹۸۲ء میں سنی مسلمانوں نے شام کے شہر حماۃ میں حافظ الاسد کے ظلم و بربریت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، جسے فوجی طاقت کے بل پر کچل دیا گیا، دس ہزار لوگ مارے گئے، پورا شہر کھنڈر میں تبدیل کردیا گیا، ۲۰۰۰ء میں حافظ الاسد کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا بشار الاسد حکمراں بنا، یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر ہے، شیعہ نواز، سنیوں کا مخالف، ظالم اور جابر حکمراں کی حیثیت سے وہ اپنے باپ سے بھی دو چار قدم کچھ آگے ہی ہے۔

پانچ سال قبل عالم عرب میں بہار عرب کے عنوان سے تبدیلی کی جو لہر چلی تھی اس کا اثر اس ملک میں بھی محسوس کیا گیا، فروری ۲۰۱۱ء میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے، وہ چالیس سال سے زیادہ لگی ایمرجنسی اور اس کے نتیجہ میں ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف احتجاج کر رہے تھے، بشار الاسد کی فوجوں نے ان پُرامن مظاہرین پر توپ کے دہانے کھول دیے، اس طرح حالات بگڑے اور بگڑتے چلے گیے، پورا ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگیا، کئی تنظیمیں وجود میں آئیں، جو یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ بشار الاسد کو ہٹا کر دم لیں گی، فوج بھی منقسم ہوگئی، پانچ سال کی اس مدت میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے ہیں، لاکھوں لوگ نقل مکانی کر کے ترکی، لبنان اور دوسرے ملکوں میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہنے پر مجبور ہیں، آج بھی ایک کروڑ اسّی لاکھ سے زیادہ لوگ اس جنگ زدہ ملک میں موجود ہیں، جن میں بڑی تعداد شیعہ نصیریوں کی ہے، سنی مسلمان اول تو کم رہ گئے ہیں، جو ہیں وہ بشار الاسد کے بموں، توپوں اور گولیوں کے نشانے پر ہیں، ایک وقت ایسا بھی آیا جس میں لگتا تھا کہ بشار الاسد بس اب جانے ہی والا ہے مگر ۲۰۱۲ء میں ایران کی دہشت گرد تنظیم حزب اللہ بشار الاسد کی حمایت میں آگئی اور اس نے سرحدیں عبور کر کے سنی مسلمانوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا، ستمبر ۲۰۱۳ء میں روس نے مداخلت شروع کی، اب

صورت حال یہ ہے کہ بشار الاسد ایران اور روس کے ساتھ مل کر سنی آبادی کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے، دوسری طرف کچھ مسلم ممالک ہیں جو امریکہ کی قیادت میں سنیوں کا کمزور دفاع کر رہے ہیں، بہ ظاہر شام کی سرزمین پر امریکہ اور روس دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں، بین الاقوامی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں روس اور ایران کامیابی کے ہدف تک پہنچنے والے ہیں، جب کہ امریکہ، سعودی عرب اور ترکی اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہیں، اس صورت حال پر نظر رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ شام کی اس جنگ میں روس اور امریکہ حریف نہیں حلیف ہیں، جن کا واحد مقصد بشار الاسد کے اقتدار کو مستحکم کرنا اور سنی مسلمانوں کا اس خطے سے صفایا کرنا ہے، دونوں نے داعش اور دولت اسلامیہ کا ہوّا کھڑا کر رکھا ہے، جن کا کوئی زمینی وجود نہیں ہے، امریکہ اور روس دونوں فضائی حملے کر رہے ہیں، بلکہ روس کے متعلق تو یہ بھی اطلاعات ہیں کہ روس نے ان حملوں میں کیمیائی ہتھیار بھی استعمال کیے ہیں، شام کی سرزمین ان دونوں عالمی طاقتوں کے لیے میدان جنگ بنی ہوئی ہے، نقصان ملک کا ہو رہا ہے، ملک کے معصوم عوام ہلاک ہو رہے ہیں، ان کے مکانات، اسکول، ہسپتال، عبادت گاہیں مسمار ہو رہی ہیں، گذشتہ ایک ہفتہ میں روس کے بمبار طیاروں نے ایک سو بیس فضائی حملے کیے، اور غوطہ شہر کو تباہ کر کے رکھ دیا، ابھی تک پانچ سو تک ہلاکتوں کی خبریں ہیں جن میں ڈیڑھ سو معصوم بچے بھی ہیں، فی الحال جنگ بندی کا ڈراما رچا گیا ہے، اب امدادی ٹیمیں علاقے میں جائیں گی، مہلوکین اور زخمیوں کی صحیح تعداد اسی وقت معلوم ہوگی۔

یہاں سوال یہ ہے کہ بشار الاسد کو کب تک چھوٹ ملتی رہے گی؟ کیا روس اس وقت تک حملے کرتا رہے گا جب تک بشار الاسد کا ایک بھی مخالف سنی مسلمان ملک میں موجود ہے، کیا ایران کو سو خون معاف ہیں، امریکہ جو سپر پاور بنا پھرتا ہے روسی حملے روکنے میں ابھی تک ناکام کیوں ہے؟ کیا اس ناکامی سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ بشار الاسد کے اقتدار کی بقا اسرائیل کے حق میں ہے، اسی لیے امریکہ نہیں چاہتا کہ بشار الاسد کے اقتدار کا خاتمہ ہو، جنگ کی حقیقی صورت حال یہ بتلاتی ہے کہ دونوں بڑی طاقتوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ سرزمین شام میں نصیریوں کا اقتدار سلامت رہے، سنی مسلمان یا تو ملک سے باہر نکل جائیں، یا ہلاک ہو جائیں یا کان دبا کر رہیں، اسی میں ان کی بھلائی ہے، یہ صورت حال ترکی، سعودی عرب، یمن، قطر سب کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے، شام سے نمٹ کر ان کا رخ ان ملکوں کی طرف ہوگا جو ایران کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے ہیں، جن سے اسرائیل کے وجود کو خطرہ ہے، ایران ان بڑی طاقتوں کے ساتھ مل کر ایک ایسے عظیم شیعہ ملک کا خواب دیکھ رہا ہے، جس کی سرحدیں ایران سے سعودی عرب تک پھیلی ہوئی ہوں، اور اس میں کہیں کوئی سنی مسلمان موجود نہ ہو۔

بقیہ: دعوت انسانیت

سب انسان ہیں اور انسان اچھے ہوتے ہیں، کسی انسان میں جو برائی پیدا ہوتی ہے، وہ برائی جب ہوتی ہے جب وہ اس کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے، کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو شیطان کو مانتے ہیں، اور شیطان بھی انسانوں کو لڑاتا ہے، اور ایک دوسرے کے خلاف ابھارتا ہے، لہٰذا ہم سب اس سے بچیں کہ اگر کوئی بات ہم ایسی سنیں جو نامناسب ہے تو تحقیق کر لیں اور اس بات پر ہم جھگڑا نہ کریں، اس طریقہ سے ہماری زندگی اچھی گذرے گی اور یہ ملک ترقی کرے گا، اور جب ملک ترقی کرے گا تو ہم سب کو فائدہ ہوگا۔

پیام انسانیت کو ہمیں اپنانا چاہیے، اس طرح کہ ہم سب انسان ہیں، ہم سب ایک بنیاد پر آجائیں، جب ہم مختلف مذہبوں کے لوگ ہیں تو ہمیں وہ بنیاد اختیار کرنی چاہیے جس میں ہم سب اکٹھا ہو جائیں اور وہ بنیاد یہ ہے کہ ہم انسان ہیں، جب ہم انسان ہیں تو سارا جھگڑا ختم، اگر ہم کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا انسان ہماری مدد کرے گا، دوسرے انسان کو تکلیف ہوتی ہے تو ہم اس کی مدد کریں گے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں گے، اور زندگی خوشگوار گذاریں گے تو ہمارا ملک بھی ترقی کرے گا اور ہم بھی آرام کریں گے اور دنیا کے سامنے اچھا نمونہ پیش کریں گے، جس کو دنیا اختیار کرے تو دنیا کو بھی فائدہ ہو، اس لیے انسانیت پر کام کرنا، انسانیت کا یہ پیغام پہنچانا لوگوں کو بہت ضروری ہے، تاکہ ہمارا ملک بہتر ملک بن سکے، اور ہم سب بھائی بھائی کی طرح رہ سکیں، اور خود ترقی کریں اور دوسروں کو ترقی کا موقع دیں۔

احتساب نفس

محمد امین حسنی ندوی

قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو غلطی ہوجانے کے بعد پشیمان ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کا دل پاک ہوجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی تاریخ میں ایک ایسی جماعت کو تیار کیا جس نے احتساب نفس اور ضمیر کی ملامت میں ایسی مثال قائم کی جو آج تک روئے زمین پر کوئی قوم پیش نہ کرسکی اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم جو گناہوں میں سرتاپا ملوث رہتی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے گناہوں کے خیال سے لرزنے لگی اور گناہوں کے سرزد ہوجانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کے خوف نے اس قوم کو تڑپا کر رکھ دیا تھا یہ وہ احساس ہے جس نے ان کے اندر ایسی کڑھن پیدا کردی کہ ان کے لیے سنگسار ہونا آسان، کوڑے لگوانا، سخت ترین تکلیفوں کو جھیلنا آسان ہوگیا، آخرت کی فکر، اللہ کی طرف سے پکڑ اور اس کے عتاب نے ان کو بے چین و بے کل کردیا، اور انہوں نے اس کی ایسی نظیر دنیا کے سامنے پیش کی جو تاریخ انسانی میں نہیں ملتی، حضرت ماعز بن مالک اسلمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یارسول اللہ مجھ سے خطا ہوئی میں زنا کا مرتکب ہوگیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کروادیں آپ نے ان کو واپس کردیا دوسرے دن پھر وہ آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ میں زنا کا مجرم ہوں آپ نے دوبارہ پھر واپس کردیا اور ان کے گھرانے سے دریافت کرایا کہ ان کی سمجھ میں کسی قسم کی کوئی خرابی تو نہیں یا کوئی عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اچھے خاصے آدمی ہیں پھر تیسری بار ماعز بن مالک آئے آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا جواب یکساں ملا چوتھی بار جب وہ آئے تو آپ نے نصف دفن کروا کر سنگسار کردینے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الحدود)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ گشت فرمارہے تھے، راستہ میں آپ کا گذر اونٹوں کی ایک چراگاہ سے ہوا، ایک اونٹ آپ کو دوسرے اونٹوں کے مقابلہ کچھ زیادہ ہی فربہ نظر آیا، پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا: آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کا، یہ سننا تھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، فوراً عبداللہ بن عمرؓ کو طلب کیا، اور ان سے دریافت کیا یہ اونٹ تمہارے پاس کہاں سے آیا، انہوں نے جواب دیا، یہ اونٹ میں نے خریدا تھا اور اپنے پیسے سے خریدا تھا، اس وقت یہ کمزور اور لاغر تھا، میں نے اس کو چراگاہ میں دوسرے اونٹوں کے ساتھ چرنے کے لیے بھیج دیا، دھیرے دھیرے یہ فربہ ہوتا گیا، میرا ارادہ اس کو بیچ کر کچھ نفع حاصل کرنا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ سن کر جلال آگیا، آپ نے فرمایا، اس عوامی چراگاہ میں جب تمہارا اونٹ چرنے کے لیے آئے گا تو لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خلیفۃ المسلمین کے صاحبزادہ کا اونٹ ہے، اس کا خاص خیال رکھیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو چرنے دیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو پانی پلائیں، اس طرح تمہارا اونٹ ان کے اونٹوں سے جلدی فربہ ہوگا، اور اس کی قیمت ان کے اونٹوں سے زیادہ لگے گی، اس کے بعد انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے عبداللہ اس اونٹ کو بیچ دو، جتنی رقم میں تم نے اس کو خریدا تھا وہ رقم اپنی لے لو، اور باقی زائد رقم بیت المال میں جمع کردو، کیونکہ وہ تمہارا حق نہیں۔

یہ احساس انسان کی امانت، اس کی پاکیزگی اور شرافت کا محافظ تھا، خلوت وجلوت میں جہاں کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہو اور ایسی جگہ جہاں آدمی کا پورا اقتدار و اختیار ہو اور کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہ ہو وہاں اس طرح کے واقعات سامنے آئیں تو صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خدا کا خوف ہے اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ عدل وانصاف کا قیام اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتا جب تک خدا کا خوف دل میں پیدا نہ ہو یہی وہ ڈر ہے جو ہر جگہ اپنا کام کرتا ہے آپ کی نگاہوں کو نیچی رکھے گا، زبان کو بے قابو ہونے سے بچائے گا، خیالات کو پاکیزہ اور دل کو بے راہ روی سے محفوظ رکھے گا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاشرہ دیکھ کر یہ یقین ہوجاتا ہے کہ ان کے اندر وہ خوف پیدا ہوگیا تھا۔

امیدِ الٰہی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ، أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي. (صحيح مسلم: ٧٠٠٥)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا بندہ مجھ سے جو گمان رکھتا ہے میں اس کے مطابق ہوں، اور وہ جہاں مجھے یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں۔

فائدہ:- انسانی زندگی نشیب وفراز سے عبارت ہے، کبھی انسان خوشی ومسرت کے لحات بسر کرتا ہے، اور کبھی غم واندوہ کے پہاڑ بھی اس پر ٹوٹتے ہیں، ان حالات میں ''اللہ کی امید'' ایک ایسا جوہر ہے جس سے اس کو تسلی ملتی ہے، درحقیقت امید کا مطلب یہی ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وانعام کا یقین کر کے اپنے دل میں ایک خوشی محسوس کرے، اور اس کی وسیع رحمت کا تصور کرتے ہوئے اپنے دل کی راحت رسانی کا سامان مہیا کرے۔

مایوسی امیدی کی ضد ہے، اور بسا اوقات انسان مصائب و آلام کے گرداب میں پھنس کر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جب کہ یہ ایمان کے منافی عمل ہے، لہٰذا ایسے وقت میں اللہ کی وسیع رحمت کی امید رکھنا انسان کے لیے فرض ہے، اور اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو یہ چیز نفل کے درجہ میں ہو جاتی ہے، بشرطیکہ انسان کے دل میں خدا کی وسیع رحمت اور اس کے بے انتہاء فضل وکرم کا عقیدہ مستحکم ہو۔

بسا اوقات امید اور آرزو میں فرق مشکل ہوتا ہے، اور انسان غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے امید اور آرزو میں بڑا فرق ہے، امید کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے احکامات پر عمل کرے، اس کی وعیدوں سے ڈرے، اور اس کے بعد اللہ سے حسن نتیجہ کی توقع رکھے، اور آرزو کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بغیر کچھ کیے اللہ کی ذات سے اچھی توقع رکھے، حدیث شریف میں ایسی امید کو تمنا اور آرزو سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو ایک نامناسب عمل بتایا گیا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کی حفاظت کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے، اور کوتاہ شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے تابع بنا لے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھے۔ (ابن ماجہ: ۴۴۰۱)

امید خواہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وابستہ ہو یا دنیا کی کسی بھی چیز سے، اس کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے، ۱- جس سے امید وابستہ کی جائے اس سے محبت ہو، ۲- اور اس کے فوت ہونے کا خوف واندیشہ ہو، ۳- نیز اس کے حصول کی حتی الامکان کوشش ہو۔ اگر کسی امید میں یہ تین عناصر نہ ہوں تو اس کو ''آرزو'' سے تعبیر کیا جائے گا، لیکن ان عناصر سے مرکب کیفیت امید کہلائے گی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان اپنی مطلوب چیز کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرے گا، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے جن خاص بندوں کو اس سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے، اور اس کی رحمت سے بہت امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، ان کے اعمال صالحہ کی رفتار بڑھتی ہی جاتی ہے، اور امید کی کیفیت ان کی زندگی کا جز بن جاتی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی اعلیٰ مثال ہیں، جو کہ اعمال صالحہ کا پیکر تھے، لیکن پھر بھی ہمہ وقت خدا سے ڈرتے رہتے تھے۔

بسا اوقات نیک کاموں کی انجام دہی نفس پر گراں ہوتی ہے، اور شیطانی وسوسوں کا حملہ ہوتا ہے، نیز نفسانی خواہشات بھی خیر کے حصول میں مانع بنتی ہیں، اور انسان اہل غفلت سے جلد متاثر ہو جاتا ہے، اور ایسی صورت میں اخروی زندگی کا اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کے وعدے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے ایسی صورت میں اعمال صالحہ کی طرف راغب ہونا ایک مشکل کام ہے، اور عبادت الٰہی سے وابستگی ایک دشوار عمل ہے، لیکن ''امید الٰہی'' ایسا جوہر ہے جس کی بنیاد پر سابقہ زندگی سے پلٹنا اور طاعت وعبادت کی زندگی گذارنا انتہائی سہل ہو جاتا ہے، اسی لیے ''امید الٰہی'' کو قرآن مجید میں اعمال صالحہ، خشوع وخضوع اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اور روایات میں بندے کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے خیر کی امید رکھے، اور اس سے اچھا گمان کرے، کیونکہ بندہ کا اپنے رب کے متعلق جیسا گمان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں۔

اسلام
مغربی ممالک میں بڑھتی مقبولیت

محمد نفیس خاں ندوی

یورپ جس کی اپنی ایک الگ تہذیب ہے، جس کی حکومت میں کبھی سورج نہیں ڈوبتا تھا، انسانیت نوازی کا وہ علمبردار سمجھا جاتا ہے، فلاحِ انسانیت کے ان گنت ادارے وہاں سرگرم ہیں، صحت کے مراکز ہیں، تعلیم کا نظم تقریباً مفت ہے، بچوں کی پرورش کی ذمہ داری حکومت پر ہے، بے روزگاروں کو روزگار الاؤنس مہیا ہے، تفریحِ طبع کے لیے نائٹ کلب ہیں، قحبہ خانے ہیں، خوبصورت ساحل ہیں، کوئی چرچ جائے یا کوئی مندر جائے، کسی طرح کی کوئی بندش نہیں، بالفاظ دیگر یورپ کے شہریوں کو سماجی، فلاحی، سیاسی، معاشرتی ہر طرح کی سہولت فراہم ہے، جسے دیکھ کے اہل دنیا کی نگاہیں چکا چوند ہو جاتی ہیں، وہاں بسنا، وہاں کے لوگوں سے میل جول بڑھانا ترقی پسندی کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور اسی ترقی پسندی نے یہ سوچ دی کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی ترقی کی راہ میں حائل ہے، اسے اختیار کر کے کوئی ملک یا قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی، یہ بنیاد پرستوں، اور دہشت پسندوں کا مذہب ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کے متعلق لوگوں کے ذہن خراب ہونے لگے، اور عام شہریوں میں یہ سوچ پیدا ہو گئی کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے اور جس میں جس قدر اسلامیت پائی جائے گی وہ اتنا ہی بڑا دہشت گرد بھی ہوگا! چنانچہ یہ ممکن ہے کہ ہر مسلمان دہشت گرد نہ ہو لیکن ہر دہشت گرد مسلمان ضرور ہوگا۔

یورپ نے اسلام کے خلاف یہ فکر اس لیے پیدا کی کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی ساری ترقی اور انسانیت نوازی کے سارے دعوے کھوکھلے ہیں، جسے وہ انسانیت کی ترقی سمجھ رہا ہے دراصل وہی انسانیت کی تباہی کا نقطۂ آغاز ہے، اور اس کا مقابلہ صرف اسلام کی ابدی اور لافانی تعلیمات ہی کر سکتی ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام نے جو اصول فراہم کیے ہیں اور زندگی بسر کرنے کے جو ضابطے مقرر کیے ہیں ان سے ہٹ کر انسانیت ایک قدم بھی ترقی نہیں کر سکتی، اور انسانیت نوازی کی جو کچھ چمک یورپ میں دکھائی دے رہی ہے حقیقت میں وہ اسلامی تعلیمات کی کچھ چھینٹیں ہیں جو یورپ کے دامن پہ اس وقت پڑی تھیں جب اس نے مسلمانوں کی انگلی پکڑ کر علم کے راستہ پر چلنے کی کوشش کی تھی۔

انسانیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اہل یورپ اس کا اعتراف کرتے اور مسلمانوں سے جو علوم اور ترقی کے جو نسخے انہوں نے حاصل کیے اس کی اصل روح کو بھی اختیار کرنے کی کوشش کرتے تو آج ان کی ترقی دائمی اور پائیدار ہوتی، لیکن اسلام کے خلاف بھری ہوئی نفرت اور صلیبی جنگوں میں ملی شکست نے انھیں اعتراف کے بجائے عناد پر آمادہ کیا اور ان کی ساری کوششیں اسلام کو بدنام اور آوٹ آف ڈیٹ قرار دینے میں صرف ہونی شروع ہوئیں، کبھی دقیانوسی کے نام پر تو کبھی دہشت پسندی کے نام پر، اور کبھی بنیاد پرست کے نام پر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی، خاص کر نائن الیون کے واقعہ کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا تھا مغربی ممالک میں مسلمانوں کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا، خوف و ہراس کا ایسا ماحول تیار ہوا کہ مسلمان اپنی شناخت چھپانے لگے، اور ایک بہت بڑی تعداد یہ سمجھ بیٹھی کہ اب مسلمانوں کے پاس یہی چارہ ہے کہ وہ یہاں کے مغربی دھارے میں ضم ہو جائیں، لیکن کچھ ہی مدت میں دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ سارے اندیشے غلط تھے، اور اسلام کی مقبولیت مغربی ممالک میں کہیں زیادہ بڑھ گئی، حقائق و وقعات نے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ یورپ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے، اور پھر اسے اختیار کر کے دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا، گویا اسلام پسندی کی ایک لہر چل پڑی، اور جو اب تک اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے وہ خود اسلام کے محافظ بن کر سامنے آئے۔ ذیل میں ہم اس کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

نیویارک میں شائع ہونے والے مقبول جریدے ''ٹائم'' نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کے ایک جملے سے اسلام کی حقیقت اور حقانیت عیاں ہے، رپورٹ کے مطابق ''یورپ میں نئی مساجد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، فضا میں پانچ وقت کی اذان کی آواز گونج رہی ہے، روم میں تین کروڑ ڈالر کی لاگت سے مسجد تعمیر ہوئی، اس کے

لئے زمین حکومت نے عطیہ کی، فرانس میں ایک ہزار مساجد ہیں جب کہ ۱۹۷۰ء میں ان کی تعداد ایک درجن کے قریب تھی۔'' جریدے کے مطابق تین دہائی قبل مسلمان یورپ میں اجنبی تھے اور انہیں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن مسلمان اپنی سیاسی اور سماجی حیثیت منوانے میں کامیاب ہوئے اور آج اسلامی لٹریچر، قرآن مجید کے تراجم کی فروخت میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے جو مغربی دانشوروں اور عوام کے دلوں پر گہرا اثر ڈال رہا ہے۔ برطانیہ میں ایک تعلیمی ٹرسٹ ''اسلامک فاؤنڈیشن'' کے ڈائریکٹر جنرل خورشید احمد کہتے ہیں ''اسلامک فاؤنڈیشن کے جائزے کے مطابق یورپ میں ڈھائی کروڑ مسلمان آباد ہیں، ان میں ایک کروڑ ۱۵ لاکھ روس میں، ۵ء۷ لاکھ مغربی یورپ میں آباد ہیں، اس طرح اسلام یورپ کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ برطانیہ میں روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، اعداد و شمار کے مطابق برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ لاکھ ہے، ۶۰۰ مساجد اور ۴۰۰ اسلامی تنظیمیں کام کر رہی ہیں، مسلمانوں کی تعداد اور مساجد کی تعمیر میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اس کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ۱۹۶۳ء میں برطانیہ میں صرف ۱۳ مسجدیں تھیں اور ان مساجد میں صرف فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہوتی تھیں جب کہ پورے برطانیہ میں جمعہ کی نماز کی کوئی خاص روایت نہیں تھی، اس کے صرف ۳۰ برس بعد ۱۹۹۳ء تک برطانیہ میں ۵۷۵ مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور ان مساجد میں جمعہ کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

فرانس یورپ کا وہ ملک ہے جس میں سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں، فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۶۰ لاکھ ہے، ۱۳۰۰ مساجد و اسلامک سنٹرز ہیں، ۶۰۰ اسلامی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ قومی سطح پر مسلمانوں کا اپنا ریڈیو چینل ہے، مسلمانوں نے اپنا پہلا اسکول ''مڈغاسکر'' کے مشرق میں فرانسیسی جزیرے ''ری یونین'' میں کھولا، پہلے کالج کا افتتاح ۲۰۰۱ء میں ''آبرو ویلز'' میں کیا، اب کئی تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں، سرکاری دعوے کے مطابق جن فرانسیسیوں نے اسلام قبول کیا ان کی تعداد ۳۰ ہزار ہے جب کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور اسکالر عبدالکریم مراد نے انکشاف کیا ہے کہ ایک لاکھ فرانسیسی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں، اس طرح نو مسلموں کے حوالے سے فرانس یورپ میں پہلے نمبر پر آتا ہے۔ حکومت کا خیال ہے کہ آئندہ پندرہ سال میں فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۶۰ تا ۸۰ لاکھ ہو جائے گی۔

اٹلی اور جرمنی میں بھی مسلمانوں کی تعداد تسلی بخش ہے، اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ لاکھ ہے اور ۴۵۰ مساجد و اسلامک سنٹرز ہیں ان میں ۸۰ ہزار پچھلے چند برسوں میں مسلمان ہوئے، جرمنی میں ۴۰ لاکھ مسلمان آباد ہیں، ۱۴۰۰ مساجد اور اسلامک سینٹرز ہیں، آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۷ء۳۰ فیصد ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے واقعات کے بعد سوئزرلینڈ میں ۶ ہزار عیسائی مسلمان ہوئے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ۲۰۲۰ء تک یورپ کی کل آبادی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ فیصد ہو جائے گی، امریکہ کے ایک آزاد تحقیقاتی ادارے کے مطابق ۲۰۲۵ء تک زمین پر آباد نفوس میں ایک تہائی مسلمان ہوں گے۔ سان ڈیاگو یونیورسٹی کے ایک محقق جان ویکس کے مطابق ۲۰۲۰ء تک دنیا میں ہر چار افراد میں سے ایک مسلمان ہوگا۔ معروف پادری ماجولینی کے بقول ''مستقبل اسلام کا ہے،'' امریکی جریدے کے مطابق ۲۰۲۵ء تک مسلمان پوری دنیا کا ۵ء۳۵ فیصد ہوں گے، جب کہ عیسائی ۲ء۲۰ فیصد ہوں گے۔ ۲۰۰۰ء میں ہندو ۴ء۱۳ تھے جب کہ ۲۰۲۵ء تک ۷ء۵ فیصد ہوں گے، ۲۰۰۰ء میں بدھ مت ۹ء۵ فیصد تھے جب کہ ۲۰۲۵ء تک ۷ء۵ فیصد ہوں گے، ۲۰۰۰ء میں یہودی ۷ء۳ فیصد تھے جب کہ ۲۰۲۵ء تک ۵ء۲ فیصد ہوں گے جب کہ دیگر مذاہب میں ۷ء۷ فیصد ہوں گے۔ جریدے نے اعتراف کیا ہے کہ یورپ میں اسلام کے پھیلاؤ کا تناسب دوسرے مذاہب سے کہیں زیادہ ہے۔

ان حقائق نے سخت گیر عیسائی اور مستشرقین کی نیندیں اڑا دی ہیں کہ یورپی ممالک میں رفاہی کاموں اور انسانیت نوازی کی جتنی کوششیں ہو رہی ہیں اور اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے ان سب کا مقصد یہی ہے کہ عیسائیت کو فروغ حاصل ہو اور اسلام کی جگہ پر عیسائیت ہی بین الاقوامی مذہب قرار پائے، لیکن اسلام کی طرف بڑھتی ہوئی مغربی باشندوں کی دلچسپی سے یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اور اس کی تعلیمات ابدی اور لافانی ہیں، دنیا کی کسی ٹیکنالوجی اور طاقت سے اسے روکا نہیں جا سکتا، اور آج نہیں تو کل پوری دنیا اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوگی اور اپنی حقیقی کی کامیابی سے ہمکنار ہوگی!

شوق آخرت

موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہے

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تحفة المؤمن الموت.

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحفہ (مرغوبہ) مسلمان کا موت ہے۔''

جو بچھڑے ہوئے غلام کو اس کے شفیق و کریم مالک سے ملادے، اس سے بڑھ کر تحفہ مرغوب اس کے لیے اور کیا ہوسکتا ہے؟ کوئی اس پل سے بھی بھلا روٹھا، بگڑا اور خفا ہوا ہے جو سیدھا دیار حبیب تک پہنچادے، مومن کے لیے تو وہ گھڑی حقیقی اور انتہائی مسرت کی ہوتی ہے۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت ہر مسلمان (کے گناہوں کا) کفارہ ہے۔'' (کہ اس کی تکلیف ہی سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں)

اور ایسی دوا میں کچھ کڑواہٹ بھی اگر ہو جو بیماری کی شدید تلخیوں کو زائل کردینے والی ہے تو کون ایسا ہے جو اس دوا کی ناخوش گواری ہی کو محسوس کرے گا اور الفاظ سے عین خوش نما بات نہ کرے گا۔

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کا جیل خانہ اور مقام قحط ہے (کہ وہاں راحت اور نعمت دونوں کم ہیں) سو جب وہ دنیا کو چھوڑتا ہے تو جیل خانہ اور مقام قحط کو چھوڑتا ہے، کیونکہ آخرت میں راحت اور نعمت دونوں کامل ہیں۔''

قید خانہ اس کو کہتے ہیں کہ راحت اور خوشی محدود، آزادی بالکل ہی محدود ہو، دنیا میں ایک تو راحتیں اور نعمتیں یوں بھی بہت کم اور پھر ان کے صَرف واستعمال میں بھی شریعت کی طرف سے طرح طرح کی قیدیں اور پابندیاں لگی ہوئیں، مرتے ہی آخرت کی غیر محدود نعمتوں کے استعمال کی غیر محدود آزادی مل جاتی ہے، پھر اگر اس کے مقابلہ میں اس دنیا کو جیل خانے سے تعبیر نہ کیا جائے تو کیا کہا جائے؟ موت کا وقت تو اس قید عنصری سے چھوٹنے اور آزادی پانے کا ہوتا ہے، نہ کہ کسی مزید قید وبند میں گرفتار ہونے کا۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہے۔''

اور کفارے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تکلیف سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور برزخ وحشر میں ان کی پرسش اور گرفت کا خطرہ نہیں رہ جاتا ـــــ یہ گناہ جس تعداد میں بھی معاف ہوجائیں تو وہی نعمت کیا کم ہے، لیکن بعض شارحین کا قول ہے کہ کل معاف ہوجاتے ہیں، جب تو پھر ایسی نعمت کا پوچھنا ہی کیا؟

''حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے کہ الٰہی! جو کوئی میرے رسول ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے، موت اس کی محبوب بنادیجیے۔''

لیجیے اب اور کیا چاہیے؟ یہ تو صاف دعا رسول اللہ ﷺ کی اپنے رب سے ہے، پھر موت سے وحشت اور پریشانی کیسی؟ اسے تو میری امت میں ہر ایک کے حق میں مرغوب ومحبوب بنادیجیے۔

یہ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار سے عرض کی اور اپنی امت سے کیا فرمایا؟ اسے بھی سن لیجیے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر میری نصیحت یاد رکھو تو موت سے بڑھ کر کوئی چیز تمہیں محبوب نہ ہونا چاہیے۔'' یہ صراحت آپ نے سن لی! موت مومن کو محبوب کیا معنی؟ محبوب ترین ہونا چاہیے!

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 10 APRIL 2018 Issue: 04

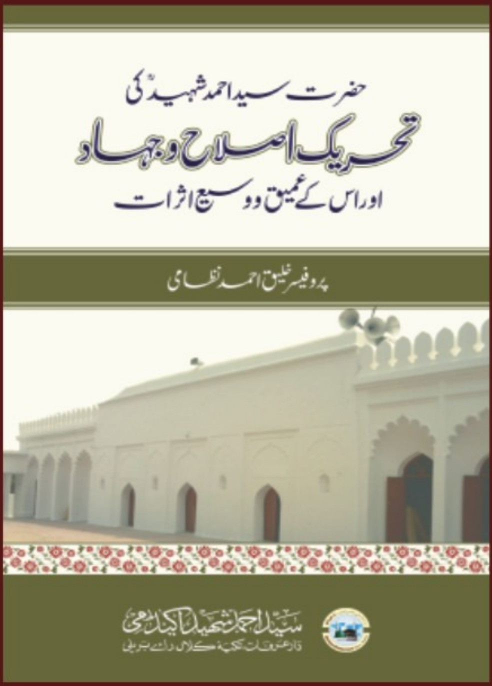

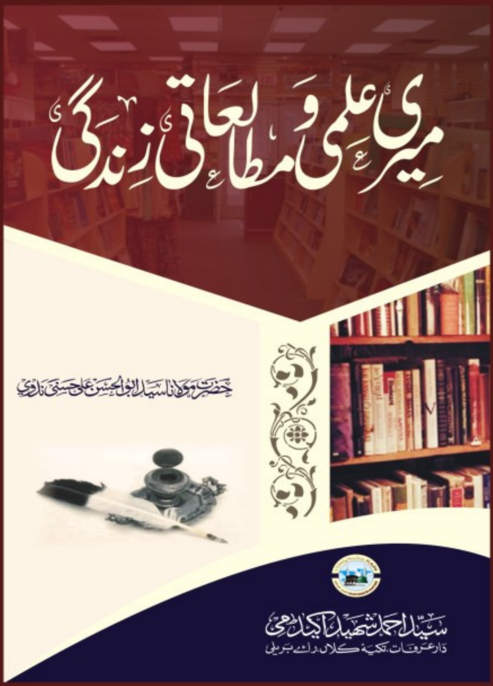

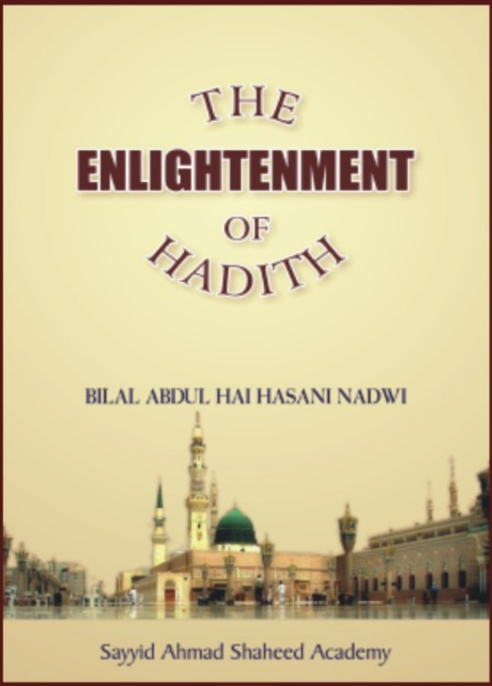

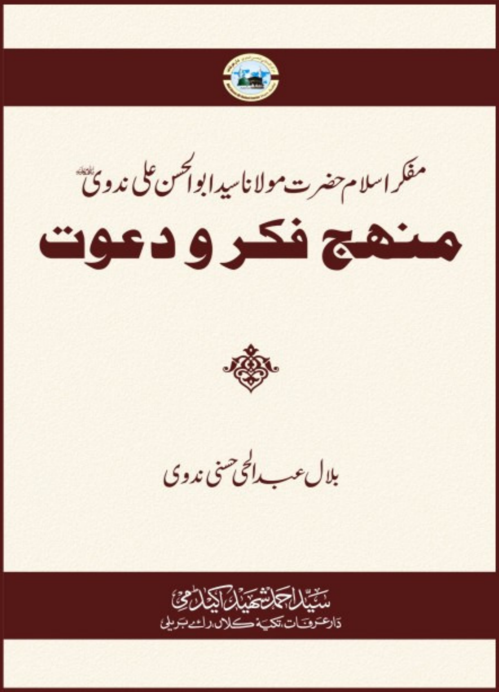

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)